قال اللہ تبارک وتعالیٰ

أفلا یتدبرون القرآن

قرآن مجید کے ادبی اسرار و رموز

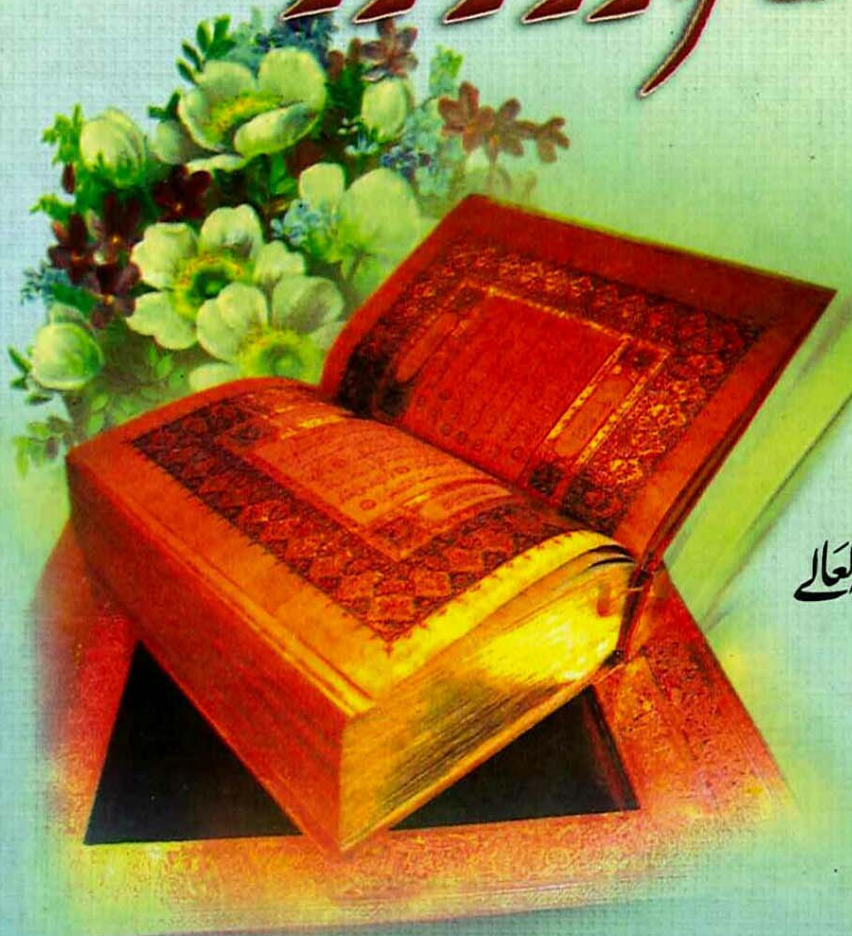

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ العالی

دارالکتاب دیوبند

قرآن مجید کے ادبی اسرار و رموز
دارالکتاب دیوبند

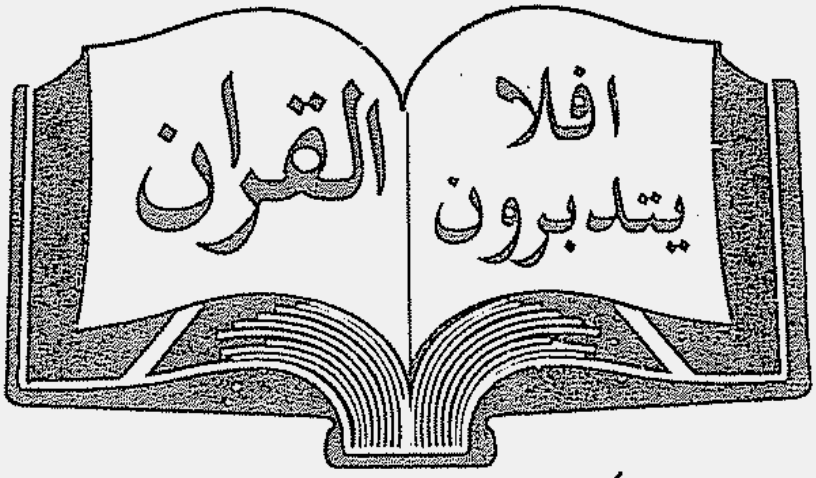

قرآن مجید

کے ادنیٰ اسرار و رموز

مؤلف

حضرت مولانا پیر فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم جھنگ (پاکستان)

دارالکتاب دیوبند (یوپی)

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ پروف ریڈنگ: محمد مفتی جمیل (کرک)
کمپوزنگ: محمد شاہد رضا الٰہی۔ محمد نعیم حافظ اویس۔ عثمان رشید

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	پیش لفظ	1
2	باب 1 : کلمات کا اعجاز	13
3	پر معانی الفاظ کا انتخاب	17
4	باب 2 : ترکیب کا اعجاز	26
5	مضمون کا اچھوتا انداز	29
6	باب 3 : لطائف قرآنیہ	41
7	صوتی اثرات	83
8	باب 4 :	
	فصاحت وبلاغت	86
9	بلاغت کی اقسام	92
10	ایجاز	92
11	تشبیہ	95
12	استعارہ	102
13	تلاؤم	106
14	فواصل	107
15	تجانس	110
16	تصریف	114
17	تضمین	115
18	مبالغہ	115
19	حسن البیان	116
20	امور مانع فصاحت	130
21	باب 5 : عجائبات القرآن	132
22	وقیل یا ارض ابلعی	134
23	باب 6 :	
	قرآن مجید اور علم عروض	143
24	قرآن کا شاعری پر تفوق	144
25	تقابلی جائزہ (رزمیہ اشعار)	147
26	تقابلی جائزہ (بزمیہ اشعار)	151
27	باب 7 : اعجاز قرآنی	163
28	انا اعطینٰك الكوثر	163
29	اعجاز کے ٹھوس دلائل	169
30	کتابیات	173

دارُالکتاب دیوبند (یوپی)

پیش لفظ

قرآن مجید فرقان حمید ،اللہ رب العزت کا کلام ہے۔اسے دوسرے کلاموں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو رب کائنات کو اپنی مخلوق پر ہے۔ قرآن مجید انسانیت کیلئے دستور حیات ہے ،منشور حیات ہے، ضابطہ حیات ہے بلکہ پوری انسانیت کیلئے آب حیات ہے۔ یہ انسانیت کو ہدایت دینے والی کتاب۔ بھٹکے ہوؤں کو سیدھے راستے پر لانے والی کتاب۔ قعر مذلت میں پڑے ہوؤں کو اوج ثریا پر پہنچانے والی کتاب اور شیطان کی پیروی کرنے والوں کو رحمان کی بندگی سکھانے والی کتاب ہے۔

اس کتاب کا دیکھنا بھی عبادت ،پڑھنا بھی عبادت، پڑھانا بھی عبادت ، سننا بھی عبادت ،سنانا بھی عبادت، سمجھنا بھی عبادت ، سمجھانا بھی عبادت، بلکہ اس پر عمل کرنا دنیا کی سب سے بڑی عبادت ہے۔ جس طرح لوہے کو کھینچنے کا مقناطیس ہوتا ہے۔اسی طرح قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو کھینچنے کا مقناطیس ہے۔ قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری رب ذوالجلال نے خود اپنے ذمہ لی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَه' لَحَافِظُوْنَ" (الحجر :۹)

(ہم نے یہ نصیحت اتاری اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں)

مومنین کیلئے اس کتاب سے نصیحت حاصل کرنا آسان بنادیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

" وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ" (القمر :۱۷)

(اور البتہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کردیا تو پھر ہے کوئی سمجھنے والا)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کو سمجھنے کے دو درجے ہیں۔ پہلا درجہ عوام الناس کا ہے اور اسے بہت آسان کر دیا گیا ہے۔ اس درجے میں انسان کو اتنی سمجھ مل جاتی ہے کہ وہ ترغیب و ترہیب کی آیات اور قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں سمجھ لیتا ہے۔ دوسرا درجہ راسخین فی العلم کا ہے۔ یہ حضرات آیات قرآنیہ کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے ہیں۔ اور احکام الٰہی کے ہیرے موتی نکال لاتے ہیں ان علماء کی پوری زندگی اسی تدبر و تفکر میں گذر جاتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے مضامین قرآن کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔

☆ علم التذکیر بآلاء اللّٰہ : اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں کا اجمالی یا تفصیلی بیان۔

☆ علم التذکیر بایام اللّٰہ : حوادث اور واقعات عالم کا بیان۔

☆ التذکیر بالمعاد : امور آخرت یعنی موت و قبر، حشر و نشر، سوال و جواب، حساب و کتاب اور ثواب و عذاب کا بیان۔

☆ علم الاحکام : احکام الٰہی یعنی اوامر و نواہی اور اخلاقیات کا بیان۔

☆ علم المخاصمہ : گمراہ لوگوں کے عقائد اور ان کا رد اور راہ حق کا بیان۔

ان علوم خمسہ میں سے پہلے علم کا تعلق مبدأ سے ہے۔ تیسرے کا معاد سے اور باقی تین کا معاش سے ہے گویا یہ کتاب علوم مبدا و معاش و معاد پر پوری طرح حاوی ہے۔ علامہ شاطبیؒ نے کیا خوب کہا ہے

"جمیع العلم فی القران لکن ..... تقاصرت عنه افهام الرجال"

(تمام علوم قرآن میں ہیں لیکن لوگوں کی عقلیں ان تک نہیں پہنچ پاتیں)

☆ قرآن مجید کا ایک کھلا اور صاف سمجھ میں آنے والا اعجاز یہ ہے کہ اس کی ہر چند آیات میں یا تو اللہ تعالیٰ کا نام آئے گا یا اس کی طرف ضمیر جائے گی۔ مثلاً سورۃ مجادلہ کی ہر ہر آیت میں اللہ کا لفظ آتا ہے سورۃ رحمٰن کی تقریباً ہر دوسری آیت میں "رب" کا لفظ آتا ہے۔ بقیہ قرآن کی ہر چھ سطروں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر موجود ہے۔ یہ اعجاز تو پہلی آسمانی کتابوں میں بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ لہذا تلاوت قرآن میں

ایک خاص خوبی یہ ہے کہ اگر اس کی چند سطریں بھی پڑھ لی جائیں تو اللہ تعالیٰ کے نام کا چند بار ورد ہو جاتا ہے اسی لئے اسکا بغیر سمجھے محض تلاوت کرنا بھی باعثِ ثواب ہے۔ قرآن مجید کے اس اسلوب کی وضاحت کے لئے چند آیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ "ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ"

(ال عمران ع ۱۹)

(یہ عذاب ان اعمال کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھوں سے ظاہر ہو چکے ہیں
اور بیشک اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا)

اس مقام پر دلیل سے دعویٰ مراد لیا ہے جس سے کلام مدلل بھی ہو گیا اور اللہ کا نام بھی آگیا۔

۲۔ "وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ" (الحج ع ۶)

(اور یہ لوگ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں اور اللہ اپنا وعدہ ہرگز نہیں ٹالے گا)

اس فقرے میں یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ یہ لوگ جلدی مچا رہے ہیں لیکن ابھی عذاب کا وقت نہیں آیا وہ اپنے وقت پر آکر رہے گا۔ اس طرح مضمون تو ادا ہو جاتا مگر اللہ تعالیٰ کا نام سلسلہ کلام میں نہ آتا۔ قرآن مجید نے ایسا انداز اپنایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی مخالفت نہیں کرتا۔ گویا جواب بھی دے دیا اور اللہ کا نام بھی فقرے میں نگینے کی طرح سجا دیا۔

۳۔ "وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ" (یونس ع ۱۱)

(وحی کی پیروی کرو اور صبر کرو اس وقت تک کہ اللہ کا حکم آجائے)

یہاں کہنا چاہتے تھے کہ آپ صبر کریں حتی کہ جہاد کا حکم نازل ہو جائے مگر بات کو اس انداز میں بیان کیا کہ پیغام بھی واضح ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کا نام بھی آگیا۔ یہ خوبی ادیان عالم کی کسی الہامی کتاب میں نظر نہیں آتی۔ صفحات در صفحات کی ورق گردانی کر لیجئے۔ باب کے باب پڑھ لیجئے مگر یہ رنگ نظر نہیں آئے گا۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ قرآن مجید میں گزشتہ واقعات کی خبریں ہیں

اور آئندہ کے متعلق پیشین گوئیاں ہیں۔ احکام ہیں، فیصلے ہیں۔ بیہودہ باتیں نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک رشتہ استوار ہے تذکرہ پہ حکمت ہے ایک راہ مستقیم ہے اس سے برائیوں کی طرف میلان نہیں ہوتا۔ اس کی زبان کسی سے نہیں ملتی۔ علماء اس سے سیر نہیں ہوتے اور اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ اللہ اکبر کبیرا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"اِنْ هُوَ اِلاَّ ذِكْرٌ" لِلْعٰلَمِيْنَ ..... وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ" (سورۃ ص ۸۸)

(قرآن مجید تمام جہان والوں کیلئے تذکرہ ہے اور اس کی حقیقت وقتاً فوقتاً تمہیں معلوم ہوتی رہے گی)۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر زمانہ گزرتا جارہا ہے اتنا ہی قرآنی علوم کی حقیقتیں لوگوں پر کھلتی چلی جارہی ہیں۔

؎ بقدر ظرفِ طالب ہاں ہیں پیمانے مقدر کے
لئے جاتا ہے جو جس کو ملا پیمانہ بھر بھر کے

بڑے بڑے عقلاء قرآن مجید کے آگے اپنی گردنیں جھکا چکے ہیں اور جھکاتے رہیں گے "الحق یعلو ولا یعلیٰ" (حق اوپر رہتا ہے کوئی چیز اس سے اوپر نہیں ہو سکتی) تدبر قرآن سے متعلق قرآن مجید ہی میں بتائے گئے چند نکات اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۔ قرآن مجید میں تدبر و تفکر نہ کرنا قساوت قلبی کی نشانی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا" (محمد : ۲۴)

(پھر قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں)

۲۔ قرآن مجید کی تعلیمات سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کے دل میں طلب ہو اور وہ قرآن مجید کی باتوں کو گوش ہوش سے سنیں اور ایسی مجالس میں حاضر باش ہو کر بیٹھیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ" اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ"

(ق: ۳۷)

(اس میں نصیحت اس کیلئے ہے جس کے پاس (سمجھ والا) دل ہو یا متوجہ ہو کر کان لگا دیتا ہو)

۳۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جس انسان کے دل میں روز محشر کا خوف ہو اس پر قرآنی تعلیم کا اثر جلدی ہوتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ" (ق: ۴۵)

(تو قرآن کے ساتھ اس کو نصیحت کر جو میرے عذاب سے ڈرتا ہو)

۴۔ جو لوگ قرآنی تعلیمات کو نظر انداز کر کے خواہشات کی اتباع کریں گے ان کو قیامت کے دن اس کا حساب چکانا پڑے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا"

(الفرقان: ۳۰)

(اور رسول ﷺ کہیں گے اے میرے رب بے شک میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کر رکھا تھا)

۵۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایسی تاثیر رکھ دی ہے کہ یہ سننے والے کے دل میں اپنا راستہ اس طرح بناتا ہے۔ جس طرح دریا اپنا راستہ خود بنا لیتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے پاس جب بھی کوئی کافر آتا تو آپؐ اس کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے۔ حدیث پاک میں ہے " تلی علیھم القرآن"

مولانا حالیؔ اس کی منظر کشی درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں۔

؎ اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا
وہ مجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

مشرکین مکہ آپس میں مشورے کرتے تھے کہ ہمیں اس کلام کو ہر گز نہیں سننا چاہیئے بلکہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لینی چاہئیں ہمارے لئے غلبہ حاصل کرنے کی یہی ایک صورت ہے ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ

(حٰمٓ سجدہ:۲۶)

(اور کافروں نے کہا اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں شور کرو تاکہ تم غالب آؤ)

آیئے غور کیجئے ۔ پڑھتے جایئے اور سر دھنتے جایئے کہ قرآن مجید نے ان کفار کو کس طرح عاجز و لاچار ثابت کر دیا

☆ قرآن مجید نے ان کفار کو منہ توڑ جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

"قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ط وَبِئْسَ الْمِهَادُ

(آل عمران : ۱۲)

(کافروں سے کہہ دو کہ تم ہی مغلوب ہو گے اور دوزخ کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانا ہے)

☆ جس طرح ایک مچھر کوہ ہمالیہ کو پھونک مار کر ہلانے کی کوشش کرے تو یہ کتنی بے فائدہ کوشش ہو گی اسی طرح قرآن مجید کو مٹانے کیلئے قریش مکہ کی تمام کوششیں بے فائدہ ثابت ہوئیں ۔جب کفار کے پاس فرار کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو کہنے لگے۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ "يُّؤْثَرُ" (المدثر : ۲۴)

[یہ تو ایک جادو ہے جو چلا آتا ہے]

☆ اس موڑ پر قرآن مجید نے کفار کو للکار کر کہا۔

"قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا" (الاسراء : ۸۸)

[کہہ دیجیے اگر تمام انسان اور جن مل کر بھی ایسا قرآن لانا چاہیں تو ایسا نہیں کر سکتے

اگر چہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار کیوں نہ ہو]

☆ جب کفار اس چیلنج کو قبول کرنے میں بھی ناکام رہے تو ان کو دوسرا چیلنج دیا گیا

"قُلْ فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ" (ھود : ۱۳)

[کہہ دیجیئے کہ ایسی دس سورتیں بنالاؤ]

☆ جب کفار یہ بھی نہ کر سکے تو انہیں کہا گیا

" فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ "(یونس : ۳۸)

[ایک سورت اس جیسی لے آؤ]

☆ جب کفار سے یہ بھی نہ ہو سکا تو قرآن نے انہیں درج ذیل الفاظ میں وعید سنائی

"فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوْا النَّارَ الَّتِي وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ"

(البقرہ : ۲۴)

[پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا اور ہر گز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں]

☆ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو اپنی زبان دانی پہ ناز تھا اور جو دوسروں کو عجمی (گونگا) کہتے ہوئے تھکتے نہ تھے اگر ان کیلئے یہ کام آسان ہوتا تو وہ ضرور کر گذرتے۔ وہ کفار جو مسلمانوں کے خلاف جنگ میں اپنے بیٹوں کو قتل کروا سکتے تھے وہ اس چیلنج کو قبول کر کے مسلمانوں کو زیروزبر کرنے کا آسان حل کیوں نہ قبول کر لیتے۔ یہ ان کی غیرت کو ایک للکار تھی جس کا جواب دیئے بغیر کسی غیور عرب کیلئے چین سے بیٹھنا ممکن نہیں تھا۔ مگر ہوا کیا؟ ان آتش بیان خطیبوں اور شاعروں کی محفل میں سناٹا چھا گیا۔ یہی کہتے رہے

" لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا " (الانفال : ۳۱)

[اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام ہم بھی کہہ ڈالیں]

☆ ہر معاملے میں جھگڑا کرنے والے آخر اس معاملے میں جھگڑا کرنے کیلئے کیوں نہ آگے بڑھے ۔حالانکہ قرآن مجید میں ایک جگہ ان کے متعلق فرمایا گیا

"بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ "(الزخرف:۵۸)

[بلکہ وہ تو جھگڑالو ہیں]

دوسری جگہ فرمایا "وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا "(مریم:۹۷)

[اور ڈرائیں آپ جھگڑنے والوں کو]

☆ معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی مثل لانا ان کے بس کی بات ہی نہیں تھی۔ قرآن مجید میں "فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا " کے الفاظ کے ذریعے پہلے ہی اعلان کر دیا گیا تھا کہ یہ کام ان سے ہر گز ہر گز نہیں ہو سکے گا۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

نزول قرآن کے وقت اقوام عرب میں ہر علم و فن کے ماہر لوگ موجود تھے سب نے اپنی اپنی رائے کے مطابق قرآن مجید کی جانچ پڑتال کی۔ علماء کرام نے گزشتہ واقعات کی تفصیل اور آیندہ کی خبروں سے قرآن مجید کی حقانیت کو تسلیم کیا۔ بعض نے قرآنی تعلیمات کو علوم اخلاق و آداب پر حاوی تسلیم کیا۔ بعض نے علوم معاشرت و تمدن میں یکتا دیکھا۔ بعض نے قرآنی تعلیمات کو عقل و دانش کی کسوٹی پر کندن کی طرح چمکتا پایا۔ بعض نے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کو دیکھا تو تسلیم کر لیا کہ یہ بشر کی طاقت سے بالا کسی اور ذات کا کلام ہے۔ چنانچہ جب قرآن کریم کی درج ذیل آیت نازل ہوئی

"وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِىْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِىْ "(ھود:۴۴)

[اور کہا گیا اے زمین تو اپنا پانی چوس لے اور اے آسمان تو تھم جا]

تو اس کو سن کر عرب کا مشہور ادیب اور انشا پرداز عبد اللہ بن المقنع بے اختیار پکار اٹھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کلام کا معارضہ ناممکن ہے یہ ہرگز ہرگز انسانی کلام نہیں ہے۔

ہر کلام سے متکلم کی شان نمایاں ہوتی ہے عرفاء کا کلام پڑھنے سے دل میں نورانیت پیدا ہوتی ہے شہوت پرستوں کے کلام سے آثار شہوت نمایاں ہوتے ہیں۔ کلام الٰہی کو پڑھ کر دل میں حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پیدا ہوتی ہے۔ ایک اعرابی نے کسی قاری کو یہی آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا تو اسی وقت اسلام لے آیا کہنے لگا زمین و آسمان کے نام یہ شاہانہ احکام جاری کرنا صرف اس ذات کیلئے ممکن ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے کسی اور سے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے اس لئے میں نے جان لیا کہ یہ کلام اس رب العالمین کا ہے جس نے کائنات کو پیدا کیا۔

(اصول تفسیر ص ۷۵)

امرؤ القیس کی بہن نے جب یہ آیت سنی تو وہ کعبۃ اللہ میں گئی اور اس میں لٹکے ہوئے قصیدہ کے کاغذات کو اتار کر سمیٹ لیا۔ طبقات امم میں لکھا ہے

"ان العرب اقامت تسجد لهذه المعلقات نحو مأة و خمسين سنة الى ان ظهر الاسلام و ابطل القرآن بسطو ة فصاحته اعتبار العرب لهذه المعلقات"

(اہل عرب ان معلقات سبعہ کو ڈیڑھ سو سال تک سجدہ کرتے رہے لیکن جب اسلام کا ظہور ہوا تو قرآن نے اپنی سطوت فصاحت سے سبعہ معلقہ کے اعتبار کو باطل کر دیا) یہ عمل اس بات کا منہ بولتا ثبوت تھا کہ انسانی کلام کا چراغ کلام الٰہی کا سورج طلوع ہونے کے بعد بے فائدہ ہو گیا ہے۔

قرآن مجید جہاں اپنی فصاحت و بلاغت میں بے مثال ہے۔ وہاں اس کے دعوے کی نظیر بھی دنیا بھر میں کہیں نہیں ملتی۔ حیران کن بات تو یہ ہے کہ اس میں زمان و مکان کی بھی کوئی قید نہیں۔ پس جو دعویٰ آج سے چودہ سو سال پہلے کیا گیا تھا وہ آج بھی بدستور قائم ہے گویا ہر زمانے کی ہر قوم کے ہر فرد کیلئے چیلنج ہے کہ اگر کسی میں طاقت ہے تو آزما کر دیکھ لے۔ اعجاز قرآنی کے سامنے ہر ایک کو گھٹنے ٹیکنے پڑیں گے۔ حضرت قاضی عیاضؒ نے کتاب الشفاء میں لکھا ہے کہ سورۃ الکوثر میں

دس کلمے ہیں اور سارے کلام اللہ میں کچھ اوپر ستر ہزار (۷۰۰۰۰) کلمے ہیں جب انہیں دس پر تقسیم کریں تو سات ہزار سات سو معجزے بنتے ہیں (الکلام المبین فی آیات رقم للعلمین ص۲۰)

قرآن مجید کے مقناطیسی اثرات نے اہل عرب کے دلوں پر اپنی دھاک بیٹھادی تھی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

1 لبید ابن ربیعہ شاعر نے حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے اعتراف کیا کہ میں نے جب سے سورۃ البقرۃ و آل عمران پڑھی ہے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے۔ بعد میں لبیدؓ نے اسلام قبول کیا اور حافظِ قرآن بنے۔

2 حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ابن الدغنہ نے کہا تھا کہ ہم آپ پر سختی نہیں کریں گے اگر آپ قرآن مجید کو بلند آواز سے پڑھنا چھوڑ دیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ ہمارے بیوی بچے مسلمان نہ ہو جائیں

3 حضرت خالد بن ولیدؓ نے جب نبی اکرم ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے قرآن سنا تو تڑپ اٹھے اور کہا "واللہ انہ لحلاوۃ. وان علیہ الطلاوۃ وان اسفلہ لمصدق وان اعلاہ لمبشر وما یقول ھذا بشر" (اللہ کی قسم یہ شریں کلام ہے اس میں حسن و جمال ہے نیچے سے اوپر تک ہرا بھرا ہے یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے)

4 سلطان حبشہ (نجاشی) سورۃ مریم کی تلاوت سن کر ایمان لے آیا۔

5 حضرت عتبہ ابن ربیعہؓ نے نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے سورۃ حج کی تلاوت سن کر کفار کو بتایا "واللہ ما سمعت مثلہ قط. واللہ ما ھو بالشعر ولا بالسحر ولا بالکھانۃ" (اللہ کی قسم میں نے آج تک ایسا کلام نہیں سنا۔ نہ وہ شعر ہے نہ جادو ہے نہ کہانت ہے)

6 جاحظ کے بقول حضرت عمرؓ اپنے زمانے میں "اعلم الناس بالشعر" (سب سے بڑھ کر فن شعر کے ماہر تھے) وہ بھی اپنی بہن فاطمہ بنت خطاب کی زبانی سورۃ طٰہٰ کی تلاوت سن کر مسلمان ہو گئے۔

کتاب تاریخ القران میں بحوالہ ابن ہشام منقول ہے کہ اسلام کے بدترین دشمن ابو جہل. عمر بن

7 وہب. اور ابن شریق بھی راتوں کو چھپ کر نبی اکرم ﷺ کی تلاوت سنتے تھے۔

8 طفیل بن عمر دوسیؓ اپنی قوم کے سردار اور شاعر تھے۔ قریش مکہ نے انہیں منع کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی زبان سے قرآن نہ سننا۔ طفیل کے دل میں شوق اور زیادہ ہو گیا چنانچہ اس نے جب قرآن سنا تو کہا "واللہ ماسمعت قولا احسن منه" (اللہ کی قسم میں نے اس سے اچھا کلام نہیں سنا) اس کے بعد مسلمان ہو گئے۔

9 ایک عرب نے آیت "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" (الحجر ع ۶) [جس بات کا تمہیں حکم دیا گیا اسے ظاہر کریں] سنی تو سجدے میں گر گیا اور کہنے لگا کہ میں اس کلام کی فصاحت کو سجدہ کرتا ہوں۔

10 سعد بن معاذؓ نے مصعب بن عمیرؓ سے قرآن سنا اور اسلام قبول کر لیا۔

11 مشہور شاعر بالفرجعدی نے قرآن مجید کی تلاوت سنی تو کہا کہ یہ فصاحت و بلاغت کا چمکتا ہوا ستارہ ہے۔

12 عمر ابن سلمہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی لوگوں سے سن سن کر قرآن مجید کو یاد کر لیا حالانکہ اس کی عمر صرف سات سال تھی۔

قرآن مجید کی سلاست و روانی. عبارت کی چستی. مناسب الفاظ کی بندش اس قدر موثر ہے کہ عربوں کی بجائے عجمیوں کی زبان میں بھی اس کے الفاظ و آیات کا استعمال روزمرہ کا معمول ہے چنانچہ .اَلْحَمْدُلِلّٰهِ. بِسْمِ اللّٰهِ .اِنْشَاءَ اللّٰهُ .مَاشَاءَ اللّٰهَ .اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ .اَسْتَغْفِرُاللّٰهَ. نَعُوْذُ بِاللّٰهِ.سُبْحَانَ اللّٰهِ .لَااِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ .لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ .اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ .ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ.انَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ .لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ . كُلُوْاوَاشْرَبُوْاوَلَا تُسْرِفُوْا. فَاللّٰهُ خَيْرٌ" حَافِظًا. اور اسی قسم کی بکثرت آیات موقع محل کے مطابق روزمرہ کے محاورات میں استعمال ہوتی ہیں اس سے بھی عجیب تر بات

یہ ہے کہ بعض کفار بھی اپنی گفتگو میں ان قرآنی الفاظ کو استعمال کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے یہ خارجی شواہد ہیں جن کو قیامت تک کوئی نہیں جھٹلا سکتا رہ گئی بات داخلی شواہد کی تو یہ کتاب اسی مقصد کیلئے تالیف کی گئی ہے۔

فقیر نے اپنی ذکر و سلوک کی تیس سالہ زندگی میں مختلف تفاسیر کے مطالعے کے دوران اپنے فائدے کی خاطر اپنی ڈائری میں اعجاز قرآنی سے متعلق چند نکات تحریر کر لئے تھے جنکو وقتاً فوقتاً مختلف محافل میں احباب کی خدمت میں پیش کرتا رہتا تھا۔ مدارس عربیہ کے طلباء اکثر اوقات یہ مطالبہ کرتے کہ ان باتوں کو اگر صفحہ قرطاس پر پیش کر دیا جائے تو یہ کام زیادہ لوگوں کی افادیت کا سبب ہوگا۔ فقیر نے ان کے حکم کی تعمیل میں قلم تو اٹھالیا ہے مگر اپنی کم علمی اور کم عملی کے اقرار کے ساتھ اس طالبعلمانہ کوشش پر خوفزدہ بھی ہے کہ یہ جرأت کہیں گستاخی نہ سمجھ لی جائے۔ سنا ہے۔

[ہر چہ گیرد علتی علت شود]

[ناقص جو کچھ بھی کرتا ہے وہ ناقص ہوتا ہے]

تاہم اس امید پر قدم اٹھایا ہے کہ اس تحریر کو پڑھ کر اگر کسی طالب علم کے دل میں عظمت قرآن یا عشق قرآن میں اضافہ ہوا یا قرآن مجید کو سمجھنے کا شوق پیدا ہو گیا تو یہ عمل فقیر کی بخشش کا سبب بن جائیگا۔ مثل مشہور ہے کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہوتا ہے۔ قارئین کرام تحریر میں کوئی غلطی دیکھیں تو نشاندہی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

گر ہمی خواہی مسلماں زیستن

نیست ممکن جز بقرآن زیستن

دعاگو و دعاجو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی

کان اللہ لہ عوضاً عن کل شئ

باب نمبر 1

کلمات کا اعجاز

قرآن مجید کی بہترین تعریف خود قرآن مجید کو نازل کرنے والے علیم و خبیر پروردگار نے درج ذیل الفاظ میں بیان فرمائی ہے

"حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا" (حم سجدہ ع ۱)

[یہ رحمٰن و رحیم کی ذات کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب ہے. جسکی آیتیں مفصل ہیں اس کا نام قرآن ہے] عربی زبان میں ہے، دانشمندوں کیلئے ہے، یہ نیکو کاروں کو خوشخبری دینے والی اور بدکاروں کو ڈرانے والی ہے]

رحمٰن و رحیم کے الفاظ استعمال کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ نزول قرآن بمقتضائے رحمانیت و رحیمیت ہے نہ کہ بمقتضائے جباریت و قہاریت۔ اس کی آیات کا مفصل ہونا اور عربی زبان میں ہونا بھی رحمت خداوندی ہے۔ قرآن مجید چونکہ علوم کا بحرِ ناپید کنار ہے لہذا اس سے اہل علم ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ بد باطن جہلاء کو تو لہو و لعب سے ہی فرصت نہیں ہوتی۔ لفظ قرآن بروزن فعلان مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی ایسی کتاب جو بار بار پڑھی جائے یا پڑھنے کے قابل ہو۔

قرآن کریم کے اعجاز کی بنیادی وجہ بہترین کلمات کا انتخاب لاجواب ہے جس طرح موتیوں کی مالا کا ہر ہر موتی قیمتی اور نفیس ہوتا ہے اسی طرح قرآن مجید کی آیات کا ہر ہر کلمہ بہترین اور عمدہ ترین چناؤ ہے۔ عربیت کا ذوق رکھنے والے حضرات کو تلاوت قرآن کے دوران یوں محسوس ہوتا

ہے جیسے کہ الفاظ کے نگینے ایک ساتھ پروئے گئے ہیں۔

بہترین الفاظ کا انتخاب

قرآن مجید کے ایک لفظ کی جگہ اس کا ہم معنی دوسرا لفظ استعمال کریں تو موزونیت ختم ہو جاتی ہے چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

1 ارشاد باری تعالیٰ ہے

"مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ" (احزاب: ۴)

[اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے]

"رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا" (آل عمران: ۳۵)

[اے رب! جو کچھ میرے پیٹ میں ہے اس کو میں نے تیرے لئے نذر کیا سب سے آزاد رکھ کر]

مندرجہ بالا دونوں آیتوں پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ جوف اور بطن کے دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔ دونوں الفاظ وزن میں ایک جیسے ہیں معنی میں بھی متقارب ہیں حروف کی تعداد میں بھی مساوی ہیں مگر ایک کی جگہ دوسرے کو استعمال کریں تو مفہوم بگڑ جاتا ہے۔ کیونکہ بطن کا لفظ سینے کو شامل نہیں اس لئے بچے کی پیٹ میں موجودگی کیلئے استعمال کیا گیا جبکہ جوف کا لفظ سینے کے اندرونی حصے کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا قلب کی موجودگی کیلئے استعمال کیا گیا۔ دونوں الفاظ کا استعمال اپنی اپنی جگہ ہی خوبصورت اور موزوں نظر آتا ہے۔

2 ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى" (النجم: ۱۱)

[دل نے جھوٹ نہیں کہا جو دیکھا]

"اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ" (ق: ۳۷)

[اس میں عبرت اُس کیلئے ہے جس کے پاس دل ہو]

مندرجہ بالا دونوں آیتوں میں قلب اور فؤاد کا استعمال عجیب معانی کا حامل ہے۔ دل کو قلب اس لئے کہتے ہیں کہ ہر وقت متحرک رہتا ہے اور اس کے جذبات کا رخ تبدیل ہوتا رہتا ہے ۔ جبکہ دل کو فؤاد اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں فہم اور سمجھ ہوتی ہے پہلی آیت میں فؤاد کا لفظ اختیار فرمایا کیونکہ حقیقت کا ادراک معاملہ فہمی سے ہوتا ہے ۔ دوسری آیت میں قلب کا لفظ اس لئے اختیار فرمایا کہ جس کے دل میں حق کی طرف میلان ہو قرآن پاک سے اسی کو ہدایت ملتی ہے۔

3 مکان بنانے کیلئے عام طور پر پکی اینٹوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ کلام عرب میں پکی اینٹوں کیلئے "آجر" "قرمد" اور "طوب" وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے تھے۔ ان الفاظ کی ادائیگی میں ثقل پایا جاتا ہے اس لئے ان کے استعمال سے کلام کے حسن و جمال میں کمی واقع ہو سکتی تھی قرآن مجید میں ایک جگہ مکان بنانے کا تذکرہ ہوا مگر انداز ایسا لطافت بھرا اپنایا گیا کہ ثقیل الفاظ کے استعمال کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ سورۃ قصص میں ہے۔

" فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا" (القصص : ۳۸)

[اے ہامان! تو دہکا دے میرے لئے آگ مٹی پر پس بنا میرے لئے محل]

اس آیت مبارکہ میں وقود علی الطین (گارے پر آگ دہکا دینا) کا عنوان اختیار فرمایا گیا جس سے اظہار حقیقت کے ساتھ اس صنعت کی طرف رہبری بھی ہو گئی اور کسی ثقیل لفظ کا استعمال بھی نہ کرنا پڑا۔

4 موت کیلئے اہل عرب کے ہاں متعدد الفاظ مستعمل تھے مثلاً "الحنف ،الحمام ،المنون ، الشعوب، الفود ، السام ،القاضیه،المنیة،الخالج، الشجب" مگر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے موت کیلئے ان تمام الفاظ کو چھوڑ کر توفی کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو پورا پورا لے لینا۔ کیونکہ موت کے وقت روح حیوانی کو جسم سے پورا پورا نکال لیا جاتا ہے۔

5 قرآن مجید میں اگر کہیں ثقیل الفاظ کو بوقت ضرورت بھی لایا گیا ہے تو اتنے دلکش انداز میں کہ

وہ لفظ ثقیل ہونے کے باوجود بلاغت کے منافی نہ رہا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى" (النجم: ۲۲) [تب تو یہ بہت ہی بری تقسیم ہے]

اس آیت کریمہ میں ضیزیٰ کے لفظ کا استعمال اتنے دلنشیں انداز میں کیا گیا ہے کہ ثقل ختم ہو کر لطافت پیدا ہو گئی ہے۔ اس کی مثال اردو زبان میں بھی ملتی ہے۔ دیکھیے دھول دھپا کا لفظ عمومی بول چال میں ثقیل سمجھا جاتا ہے۔ مگر مرزا غالبؔ نے اپنے شعر میں بہت اچھے انداز میں اس کو پیش کیا ہے۔

؎ دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہ تھا
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

پھر ایک اور خوبی "ضیزیٰ" کے لفظ اختیار کرنے میں یہ ہے کہ ایک ثقیل لفظ کفار مکہ کی غلط تقسیم کیلئے استعمال کیا گیا تاکہ بات کا گھناؤنا پن اور زیادہ واضح ہو سکے۔ اس سے بڑی اور بُری بات کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے واسطے بیٹے تجویز کرتے اور اللہ تعالیٰ کے واسطے بیٹیاں تجویز کرتے ان احمقوں کی اس ظالمانہ تقسیم کو بیان کرنے کیلئے فرمایا۔

"تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى"

[کہ یہ تقسیم تو بہت ہی ظالمانہ تقسیم ہے]

تو اس تقسیم کی قباحت کو بیان کرنے کیلئے یہ لفظ سب سے زیادہ موزوں تھا۔ اس کے ثقل سے اس تقسیم کی قباحت اور کراہت خوب نمایاں کر دی۔ فصحاء کا دستور ہے کہ قابل نفرت اور ہولناک چیز کو بیان کرنے کیلئے ایسے کلمات اختیار کیے جاتے ہیں کہ ان کو سنتے ہی سامعین پر تنفر اور ہیبت کے آثار واقع ہو جائیں۔

6 بعض الفاظ مفرد میں فصیح ہوتے ہیں مگر جمع میں ثقیل ہو جاتے ہیں مثلاً ارض کی جمع ارضون اور اراضی آتی ہے۔ اور یہ دونوں ثقیل ہیں قرآن مجید میں ایک جگہ اس لفظ کے استعمال کرنیکا

موقع تھا مگر بات اس انداز سے کی گئی کہ ثقل نام کی کوئی چیز باقی نہ رہی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ" (الطلاق:۱۲)

[اللہ نے سات آسمان پیدا کئے اور زمینیں بھی اتنی ہی]

پرمعانی الفاظ کا انتخاب

قرآن مجید میں موقع و محل کی مناسبت سے ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں کہ ان سے معانی و مفہوم کی بہت شاندار وضاحت ہوتی ہے انسان اثر قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ا

رشاد باری تعالیٰ ہے "يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَ كُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَ كُمْ (البقرہ:۴۹)

[وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑتے تھے]

اس آیت مبارکہ میں بنی اسرائیل پر کئے گئے احسانات کو یاد دلایا جارہا ہے۔فرمایا گیا کہ وہ قتل کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری عورتوں کو۔درحقیقت بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کیا جاتا تھا اور بچیوں کو زندہ چھوڑ دیا جاتا تھا۔لیکن قرآن مجید نے بچوں کیلئے بیٹوں کا لفظ استعمال کیا تاکہ محبت جوش مارے جبکہ بچیوں کیلئے عورتوں کا لفظ استعمال کیا تاکہ غیرت جوش مارے۔لہذا دونوں الفاظ ایسے استعمال کئے تاکہ محبت و غیرت جوش میں آئے اور نعمتوں کی قدردانی کیلئے برانگیختہ کرے۔یہ بات ذہن نشین رہے چونکہ بچوں کو بچپن ہی میں ذبح کرڈالتے تھے اور بچیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے جو بڑی ہو کر عورتیں بن جاتی تھیں۔اس لئے قرآن مجید میں بیٹیوں کی بجائے عورتوں کا لفظ استعمال کرنا حقیقت پر مبنی ہے

7 عربی زبان میں گلے کیلئے عنق اور جید کے دو مترادف الفاظ استعمال ہوتے ہیں مگر سورۃ لہب میں جید کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے "فی جیدھا حبل من مسد" واقعہ یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ جید کے ساتھ کلام میں روانی پیدا ہوئی ہے اگر عنق اس جگہ لایا جاتا تو ثقل پیدا ہوتا اور کلام میں بلاغت نہ رہتی۔

8 عربی زبان میں اعطاء اور ایتاء کے دونوں الفاظ ہم معنیٰ ہیں اور دونوں کا ترجمہ ہے دینا۔ قرآن مجید میں کہیں اعطی کا لفظ آیا ہے اور کہیں پر اتی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ امام الحرمین فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں ایک باریک سا فرق ہے۔ ایتاء میں اعطاء کی نسبت زیادہ قوت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اعطاء کے لفظ کا مطاوع آتا ہے کہا جاتا ہے۔

"اَعْطَانِیْ فَعَطَوْتُ" [اس نے مجھے دیا میں نے لے لیا]

اور یوں نہیں کہا جاتا "اتانی فاتیت" بلکہ کہا جاتا ہے "اَتَانِیْ فَاَخَذْتُ" پس جس مطاوع ہو وہ کمزور ہوتا ہے۔ چونکہ اس کا وجود مفعول پر موقوف ہوتا ہے۔ اب دیکھئے ارشاد باری ہے۔

"حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ"

(التوبة :۲۹)

[یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر]

چونکہ مشرکین جزیہ ناخوشی سے دیتے ہیں اسی لئے یہاں 'یعطوا' کا لفظ استعمال فرمایا جبکہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا

"اَقِیْمُوْا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوْا الزَّكٰوةَ"

یہاں اتوا کا لفظ لایا گیا اس میں اشارہ ہے کہ زکوۃ خوشی سے دینی چاہیے ناخوشی سے نہیں۔

الفاظ کی ترتیب کا اعجاز

قرآن مجید میں الفاظ کی ترتیب کا ایسا لحاظ رکھا گیا ہے کہ معانی کے حسن میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے

"اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا" (المائدہ :۳۸)

[چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں]

دوسری جگہ ارشاد فرمایا

"اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ" (النور : ۲)

[زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو]

ان دونوں آیات مبارکہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں چوری کرنے کا ذکر ہے وہاں السارق کا لفظ السارقة سے پہلے ہے۔ لیکن جہاں زنا کرنے کا تذکرہ ہے وہاں الزانیہ کا لفظ الزانی سے پہلے ہے۔ یہ ترتیب کی تبدیلی بھی کوئی پیغام دے رہی ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ چوری کرنا مردانگی سے بعید ہے لہذا سارق کا تذکرہ پہلے کیا۔ جبکہ زنا کرنا حیا سے بعید ہے لہذا زانیہ کا تذکرہ پہلے کیا۔ ویسے بھی زنا کے معاملے میں جب تک عورت ڈھیل نہ دے بے پردگی کی مرتکب نہ ہو اس وقت تک مرد زنا پر قادر نہیں ہو سکتا۔ لہذا زانیہ کا تذکرہ زانی سے پہلے کیا گیا۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ ہر لفظ اپنی اپنی جگہ ہی اچھا لگتا ہے۔

تکرار الفاظ سے معانی کا حسن دوبالا

قرآن مجید میں تکرار الفاظ سے معانی کے حسن کو دوبالا کر دیا گیا ہے جب کفار نے رسولوں کی تکذیب میں مبالغہ کرتے ہوئے کہا

"مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ" (یٰسین : ۱۵)

[تم تو ہم جیسے انسان ہی ہو تم سب جھوٹ بولتے ہو] تو اس کے جواب میں فرمایا گیا

"قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّا اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۝ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ" (یٰسین : ۱۶)

[انہوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے کہ یقیناً ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں اور ہمارے ذمہ تو کھول کر پہنچا دینا ہے]

اس آیت میں ربنا یعلم کی قسم کے بعد دو تاکیدیں اور ہیں ایک انّ کی اور دوسری لمرسلون میں لام کی تاکید ہے پھر جملہ کو اسمیہ لانے سے معانی کا حسن دوبالا ہو گیا ہے اور کلام میں جان پیدا ہو گئی ہے۔ سبحان اللہ۔ کفار کو دندان شکن جواب دینے کیلئے جملہ اسمیہ پر تین تاکیدیں لا کر کلام میں زور پیدا کر دیا گیا ہے۔

۲۔ کافروں نے جب آخرت کا انکار کرتے ہوئے کہا" لَنْ يُّبْعَثُوْا "[انہیں ہر گز نہیں اٹھایا جائے گا] اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا

"قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ"

(التغابن : ۷)

[کہہ دیجئے کیوں نہیں میرے رب کی قسم تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا پھر ضرور خبر دی جائے گی تمہیں اس کی جو تم نے کیا اور یہ اللہ پر آسان ہے]

اس میں تاکید کیلئے پہلے بلیٰ وربی کے الفاظ سے قسم کھائی گئی پھر لتبعثن کے لفظ میں لام تاکید اور نون تاکید ک ثقیلہ کو لایا گیا۔ پھر اس کے بعد لتنبئون کے ذریعے حساب کتاب کا بھی تاکید کے ساتھ ذکر کیا پھر آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کیلئے یہ کام کچھ مشکل نہیں ہے۔

۳۔ جب کافروں نے آخرت کا انکار کرتے ہوئے کہا

"ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا" (بنی اسرائیل : ۵۱)

[کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں اور چورا چورا پھر اٹھیں گے نئے بن کر]

اللہ تعالیٰ نے بڑے زوردار کلمات کے ساتھ شاہانہ انداز میں ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا

"قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِىْ صُدُوْرِكُمْ"

[تو کہہ تم ہو جاؤ پتھر یا لوہا یا کوئی خلقت جس کو تم مشکل سمجھو اپنے جی میں]

اسی پر بس نہیں بلکہ سینوں کے بھید جاننے والے پروردگار نے کافروں کے دل میں پیدا ہونے

والے اگلے سوال کو خود ہی بیان فرمادیا کہ

"فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا" [پھر کہیں گے کون لوٹا کر لائے گا ہم کو]

پھر اس کا جواب بھی درج ذیل الفاظ میں ارشاد فرمایا "قُلِ الَّذِی فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ" [کہہ جس نے پیدا کیا پہلی بار] جب امکان بعثت ثابت ہو گیا تو کفار کے دل کی گہرائیوں میں ابھرنے والے اس سے اگلے سوال کو بھی بتلادیا

"فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ"

[پھر اب مٹکائیں گے تیری طرف اپنے سر اور کہیں گے کب ہوگا یہ]

پھر اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا "قُلْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا" [تو کہہ شاید نزدیک ہی ہو] رہی یہ بات کفار کہتے ہیں کہ عذاب تو آتا نہیں قریب کیسے ہے؟ تو جس طرح انسان برے کو اس کے گھر تک چھوڑ کے آتا ہے]

"يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا"

[جس دن تم کو پکارے گا تو چلے آؤ گے تم اس کی تعریف کرتے ہوئے اور تم سمجھو گے کہ نہیں دیر لگی تم کو مگر تھوڑی] (بنی اسرائیل : ۵۲)

۴۔ کفار مکہ کی یہ عادت تھی کہ کشتی میں خدا کو یاد کرتے اور جب کنارے لگ جاتے تو خدا ہی کی نافرمانی شروع کر دیتے۔ گویا عملی طور پر یوں سمجھتے کہ اب خدا کی گرفت سے نکل چکے ہیں۔ قرآن پاک نے ان کی تردید کیلئے کیسا ٹھوس انداز اختیار فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّا اِيَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ

يُعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَاتَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا" (بنی اسرائیل : ۶۷ تا ۶۹)

[اور جب آتی ہے تم پر آفت دریا میں بھول جاتے ہو جن کو پکارا کرتے تھے اللہ کے سوائے پھر جب بچا لایا تم کو خشکی میں پھر جاتے ہو اور ہے انسان بڑا ناشکرا، سو کیا تم بے ڈر ہو گئے اس سے کہ دھنسا دے تم کو جنگل کے کنارے یا بھیجدے تم پر آندھی پتھر برسانے والی پھر نہ پاؤ اپنا کوئی نگہبان یا بے ڈر ہو گئے ہو اس سے کہ پھر لے جائے تم کو دریا میں دوسری بار پھر بھیجے تم پر ایک سخت جھونکا پھر ڈبا دے تم کو بدلے میں اس ناشکری کے، پھر نہ پاؤ اپنی طرف سے ہم پر اس کا کوئی باز پرس کرنے والا]

صلوں اور حروف کی زیادتی سے حسن دوبالا

قرآن مجید میں بعض مقامات پر حروف اور صلوں کی زیادتی اس انداز میں کی گئی ہے کہ کلام کی روانی اور کشش میں اضافہ ہو گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اِقْرَءُوْا كِتٰبِيَه .....مُلٰقٍ حِسَابِيَه .....مَالِيَه .....سُلْطَانِيَه (الحاقة)

اس کلام میں اصل الفاظ کتابی .حسابی .مالیه اور سلطانی تھے مگر آخر میں ھا کی زیادتی نے کلام کے حسن کو چار چاند لگا دیئے ہیں ان حروف کو اپنی جگہ سے ہٹا کر اسی آیت کو دوبارہ پڑھیں تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے اس طرح 'القارعۃ' میں فرمایا "وَمَا اَدْرٰكَ مَا هِيَهْ نَار" حَامِيَة" "اس میں ماهیه اصل میں' ماهی' تھا' ھا' کی زیادتی نے حسن دوبالا کر دیا ہے۔ مزید برآں آیت کے آخر کو ایک جیسا کر کے لطافت پیدا کر دی۔

ذیل میں امام ابی منصور عبد الملک بن محمد الثعالبی کی کتاب فقۃاللغہ سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

1 قَالَ يَابْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ (طه : ۹۴)

[اے میری ماں کے بیٹے نہ پکڑ میری داڑھی اور نہ میرا سر]

اس میں با حرف جر زائد ہے۔ کیونکہ خذ فعل متعدی ہے۔ لیکن با کے استعمال نے حسن و جمال میں اضافہ بھی کیا اور روانی بھی پیدا کر دی۔

2 اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى (العلق : ۱۴)

[کیا اس نے نہ جانا کہ اللہ دیکھتا ہے] اس میں باء حرف جر زائد ہے علم خود متعدی ہے تقدیر کلام یوں تھی۔ اَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَرٰى۔ دونوں فکروں کی روانی میں فرق صاف ظاہر ہے۔

3 فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ (ص : ۳)

[اور نہ وقت رہا خلاصی کا] اس میں تاء زائد ہے تقدیر کلام ولا حین مناص ہے معنی یوں ہے ولیس الحین حین فرار . مگر اس زیادتی نے کلام کی رونق کو دوبالا کر دیا ہے۔

4 لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ (القيامة : ۱) [میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی]

اس میں لا زائدہ ہے مگر اس کی وجہ سے کلام میں قوت پیدا ہوئی ہے اس لا کا ترجمہ نہ کیا جائے گا

5 غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (الفاتحه : ۷)

[نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غصہ کیا گیا اور نہ گمراہوں کا]

اس میں لا حرف زائدہ ہے اور الضالین کا عطف المغضوب پر ہے۔

6 قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (الاعراف : ۱۲)

[فرمایا تجھ کو کس چیز نے منع کیا سجدہ کرنے سے جب میں نے تجھے حکم دیا]

مطلب یہ ہے کہ کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے منع کیا۔ اس میں بھی لا زائد ہے ۔

7 فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (آل عمران : ۱۵۹)

[پس اپنے رب کی رحمت سے آپ ان کیلئے نرم ہوئے ہیں] اس میں ما حرف زائد ہے تقدیر کلام فبرحمة من الله ہے۔

8 فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ (المائدہ : ۱۳)

[پس ان کے اپنے عہد کو توڑنے کی وجہ سے]

اس آیت میں ما کا لفظ زائد ہے تقدیر کلام یوں ہے فَبِنَقْضِهِمْ مِيْثَاقَهُمْ مگر با سببیہ کے بعد اس ما زائدہ کی وجہ سے ذکر کردہ سبب خوب ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

9 وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَام (الرحمٰن : ۲۷)

[اور باقی رہے گی تیرے رب کی ذات بزرگی اور عظمت والی] اس میں لفظ وجہ تقدیر کلام سے زائد ہے۔ کیونکہ معنیٰ یہ ہے کہ تیرے پروردگار کی ذات باقی رہے گی۔

10 رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الحجر : ۲)

اس میں تقدیر کلام رُبَ يَوَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ہے اور ما کافہ معنیٰ میں زائد ہے اس ما کافہ کی وجہ سے رب فعل پر داخل ہو گیا ہے۔

11 وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلاَّ يَعْلَمُهَا (الانعام : ۵۹)

[اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو جانتا ہے] اس میں فاعل پر من زائدہ داخل ہے تقدیر کلام وما تسقط ورقۃ ہے

12 وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لاَ تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ (النجم : ۲۶)

اس میں من زائد کم کی تمیز پر داخل ہے تقدیر کلام وَكَمْ ملك فى السمٰوٰت ہے۔

13 وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا (الاعراف : ۴)

[اور بہت بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا]

اس میں من زائدہ کم کی تمیز پر داخل ہے تقدیر کلام وکم قریۃ ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور : ۳۰)

[کہہ دیجئے ایمان والوں کو نیچی رکھیں اپنی نگاہیں] اس میں من زائدہ ہے کیونکہ یغضوا فعل متعدی ہے اور ابصار مفعول بہ ہے۔

15 لِلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ (الاعراف : ۱۵۴)

[وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں] اس میں لام زائدہ ے

16 اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُوْنَ (یوسف : ۴۳)

[اگر تم خواب کی تعبیر دیتے ہو] اس میں لام زائد ہے تقدیر کلام ان کنتم الرؤیا تعبرون ہے۔

17 (۱۷)وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الشعراء: ۱۱۲)

[مجھے کیا معلوم جو وہ کرتے ہیں] اس میں کانوا زیادہ ہے۔ کیونکہ علم خود متعدی ہے اور ما موصولہ اس کا مفعول بہ ہے۔

واضح رہے کہ حقیقۃ قرآن پاک میں کوئی کلمہ بھی زائد نہیں ہے جن کلمات کو نحویوں نے زائد کہا علماء بلاغہ نے ان کو ادوات تاکید میں شمار کیا ہے۔ اس واسطے منکر کے جواب میں ان حروف کو تاکید پیدا کرنے کیلئے لایا جاتا ہے ایک مثال سے بات واضح ہو جائے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا

(الاحزاب : ۱۳)

[کہتے ہیں ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں پڑے وہ تو صرف بھاگنا چاہتے ہیں]

اس آیت میں ان بیوتنا عورۃ کو رد کرنے کیلئے فرمایا وما ھی بعورۃ۔ اس میں با حرف زائد دراصل تاکید کیلئے ہے۔

باب نمبر2

ترکیب کا اعجاز

قرآن مجید میں فقرات کو بنانے کے لئے الفاظ کو اس خوبصورتی سے جوڑا گیا ہے کہ پڑھنے والا عش عش کر اٹھتا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں

الفاظ قلیل معانی کثیر

کلام کی خوبصورتی اور خوبی کی ایک دلیل یہ بھی ہوتی ہے کہ تھوڑے الفاظ میں زیادہ مفہوم بیان کیا جائے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے۔

خَيْرُ الْكَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ [بہترین کلام وہ ہے جو تھوڑا ہو اور مدلل ہو]

اردو زبان میں بھی ضرب المثل ہے کہ دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ بات پہنچانے میں قرآن اپنی مثال آپ ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

1 قرآن مجید میں دو عورتوں کی گواہی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى (البقرۃ: ۲۸۲)

[کہ بھول جائے ایک تو یاد دلائے اس کو دوسری]

اس مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کیلئے جتنا مرضی زور لگایا جائے ڈیڑھ دو گنا الفاظ زیادہ استعمال کرنے پڑیں گے.....؟۔ عربیت کے ماہرین کی عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔

2 حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین پہنچ کر دعا مانگی ارشاد باری تعالیٰ ہے

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ o فَجَآءَتْهُ اِحْدٰهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَاءٍ (القصص : ۲۴، ۲۵)

[کہا اے میرے رب! بیشک جو تو میری طرف اچھی چیز اتارے میں اس کا محتاج ہوں۔
پھر آئی اس کے پاس ان دونوں میں سے ایک چلتی ہوئی شرم سے]

اس میں تقدیر کلام یوں ہے

فذهبتا الى ابيهما وقصتا عليه ما كان من امر موسىٰ
فارسل اليه فجاء ته احداهما

اس کلام سے اندازہ لگانا آسان ہے کہ مختصر الفاظ میں کتنی ساری بات کو کہہ دیا گیا ہے

جہنم کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے

3 يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَئْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (ق : ۳۰)

[جس دن ہم دوزخ سے کہیں گے کیا تو بھر گئی تو وہ کہے گی کیا اور بھی ہے]

جہنم کی وسعت کے بارے میں اس سے جامع بات کہنا ممکن ہی نہیں ہے۔ ایک عرب ادیب نے بعض ایسے غیر مسلم لوگوں کو اپنے گھر پر دعوت دی جو قرآن پاک کے اس چیلنج کا مذاق اڑاتے تھے کہ ایسی کوئی کتاب لا ہی نہیں سکتا۔ کھانے سے فراغت پر اس نے سب کو کہا کہ جہنم بہت بڑی ہے۔ اس کی وسعت کو الفاظ کے سانچے میں ڈھال کر دکھائیں۔ سب لوگوں نے اپنی طرف سے بہتر سے بہترین بات کہنے کی کوشش کی مگر الفاظ زیادہ اور معانی کم والی بات سامنے آئی۔ جب سب لوگ طبع آزمائی کر کے تھک چکے اور صاحب خانہ کو مطمئن نہ کر سکے تو انھوں نے صاحب خانہ سے پوچھا کہ آپ بتائیں کہ اس مضمون کو اس سے اچھے الفاظ میں کیسے بیان کر سکتے ہیں۔ میزبان نے قرآن مجید کی آیت پڑھی **يوم نقول لجهنم هل امتلئت و تقول هل من**

مزید ۔ یہ سن کر سب حاضرین نے کلمہ پڑھا اور اسلام کے دامن میں داخل ہو گئے۔

4 ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَلاَ لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف : ۵۴)

[خبردار اسی کیلئے ہے پیدا کرنا اور حکم کرنا]

کائنات دو قسم کی ہے ایک تو وہ جس کی پیدائش تدریجاً ہوئی جیسے انسانی جسم اور تمام تر مادی اشیاء کہ انکی تکمیل آہستہ آہستہ ہوئی۔ اس کے بر خلاف کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو یکدم پیدا کر دی گئیں جیسے فرشتے، لوح، قلم، کرسی اور روح وغیرہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ"

[آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کا حکم ہے]

اس سے ثابت ہوا کہ پیدا کرنا خلق ہے اور پیدا کرنے کے بعد تکوینی یا تشریعی احکام دینا امر ہے اور دونوں اس کے اختیار میں ہیں پس وہی سب خوبیوں اور برکتوں کا سرچشمہ ہے۔ اس آیت کی جامعیت پر غور کیجئے کہ چار الفاظ میں کتنا بڑا مضمون ادا کر دیا گیا ہے

5 ارشاد باری تعالیٰ ہے

اُسْلُكْ يَدَكَ فِیْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ (القصص : ۳۲)

[ڈال اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں نکلے گا سفید ہو کر بغیر کسی برائی کے]

اصل یہی ہے اسلك يدك فی جيبك واخرجها تخرج بيضاء ۔ اس جگہ واخرجها محذوف ہے۔ بات کس قدر مختصر الفاظ میں کی گئی ہے۔

6 ارشاد باری تعالیٰ ہے

"هُوَالَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا (یونس : ٦٧)

[وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے رات کو تاکہ اس میں چین حاصل کرو اور دن کو دکھانے والا]

رات کی حکمت ذکر کر دی اس کا وصف حذف ہے اور دن کا وصف ذکر کر کے اس کی حکمت ذکر نہ کی اصل عبارت یوں ہے

هُوَالَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ مُظْلِمًا لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا لِتَبْتَغُوْا تَتَحَرَّكُوْا فِیْهِ۔

پس اس عبارت کے تیرہ الفاظ کی بجائے فقط نو الفاظ میں بات سمیٹ دی ۔

مضمون کا اچھوتا انداز .

قرآن مجید میں مضامین کا انداز اتنا اچھوتا ہوتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے عربوں میں قتل کے بدلے قتل کرنے کا عام رواج تھا۔اس مقصد کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے درج ذیل فقرات زبان زد عام تھے۔

1 قَتْلُ الْبَعْضِ احْیَآءٌ لِلْجَمْعِ (بعض کا قتل کر دینا سب کیلئے زندگی ہے)

اس فقرے میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ بعض لوگوں کو قتل کر دیا جائے تو سب کی جان بچ جائے گی اس فقرے میں لفظی محاسن بھی پائے جاتے ہیں یہ کلام فصیح ہونے کے ساتھ ساتھ بدیع بھی ہے ۔تاہم اس فقرے میں ایک تو لفظ قتل سے حق یا ناحق کی وضاحت نہیں ہوتی دوسرے قتل البعض کی عمومیت حکم کی خصوصیت پر کافی روشنی نہیں ڈالتی۔حالانکہ متکلم کا منشا ہے کہ ان لوگوں کا قتل کرنا جو واجب القتل ہیں یعنی قتل عوض ہیں۔مزید برآں اس کلام میں تاکید کیلئے کوئی لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔

2 اَكْثِرُوْا الْقَتْلَ لِیَقِلَّ الْقَتْلُ (قتل کی زیادتی کرو تاکہ قتل کم ہو جائے)

اس فقرے میں اہمیت خطاب پائی جاتی ہے۔صنعت مقابلہ کے ساتھ ساتھ تجنیس و حسن تکرار

بھی ہے لیکن اس فقرے میں ایک نقص موجود ہے۔ منشائے متکلم تو یہ ہے کہ قتل عوض سے لوگ خائف ہو کر قتل کرنا کم کر دیں مگر ظاہری طور پر اس کلام میں قتل عوض کی کثرت کا حکم دیا جارہا ہے جبکہ قتل عوض کی کثرت ظاہری طور پر قتل ظلم کی نشانی ہوتی ہے۔ لہذا یہ کلام بھی چنداں بہتر نہیں سمجھا گیا۔ اس سے زیادہ بہتر قول درج ذیل ہے

3 اَلْقَتْلُ اَنْفٰی لِلْقَتْلِ (قتل کو سب سے زیادہ روکنے والی چیز قتل ہے)

یہ کلام سابق الذکر دونوں فقرات سے زیادہ فصیح وبلیغ ہے اس میں الفاظ کم ہیں مگر معنی وسیع ہیں ۔ فصحائے عرب نے اس فقرے کو فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے سب سے مقدم کیا ہے اس میں حسن بیان۔ سلاست وروانی اور شوکت مضمون پائی جاتی ہے۔ لفظ انفی بصیغه افعل التفصیل حکم کی اہمیت کا واضح ثبوت ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود اس میں بھی نقص موجود ہے۔ قتل کا لفظ اب بھی اپنے مدعا کو واضح کرنے کیلئے ناکافی ہے۔ تکرار قتل کی سفاہت بھی موجود ہے اس فقرے کے الفاظ میں طرفگی نہیں پائی جاتی لہذا یہ بدیع نہیں ہے۔ شائد ان فقرات میں مسلمۃ البلاغہ کے نقائص چھپے رہتے مگر قرآن پاک کی آیت نے ان کا بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوڑ دیا

4 ارشاد باری تعالیٰ ہے [وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ]

خون کا خون لینے ہی میں تمہاری زندگی ہے (البقرہ. ع ۲۲)

یہ آیت فصاحت وبلاغت اور صنائع وبدائع کے لحاظ سے ایک ایسی بلندی پر ہے کہ اس کے آگے تمام بلندیاں پست ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہوتے ہی فصحاء وفضلاء میں ہلچل مچ گئی۔ محاسن معنی وبیان کے لحاظ سے دیکھیں تو آیت کے الفاظ پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے یہ آیت سلاست وروانی میں بے مثال ہے۔ وضاحت معنی میں بے نظیر ہے اور حسن الفاظ میں عدیم المثال ہے حکم قصاص کی مشروعیت کو جس مدلل انداز میں بیان کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے لفظ (ولکم) کو پہلے لانے میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ کلام سامع کی نظر میں اہم ہو گیا دوسرا یہ

فائدہ ہوا کہ متکلم نے اشارہ کر دیا کہ قصاص کا حکم میری ذاتی اغراض پر مبنی نہیں بلکہ اس میں خود تمہارا فائدہ ہے اس سے قتل ظلم میں جو کمی واقع ہو گی وہ تمہارے لئے آسائش ورحمت کا سبب بنے گی۔ اس کے بعد فی القصاص کا تذکرہ کرنے میں تاکید پیدا ہو گئی ہے۔ گویا کہنا یہ چاہتے ہیں کہ قصاص ہی قتل ظلم کو کم کر سکتا ہے۔ صفائی بیان کا یہ عالم ہے کہ اس کلام الٰہی کو سنتے ہی منشائے کلام خود بخود سمجھ آجاتا ہے۔ شوکت بیان ایسی ہے کہ آیت کو پڑھتے ہی دل پر ہیبت چھا جاتی ہے۔ قصاص کے لفظ میں بہت وسعت ہے اس سے جان کے بدلے جان اور ہاتھ۔ ناک۔ کان وغیرہ اعضائے انسانی کے بدلے میں قتل اعضاء کی بھی وضاحت موجود ہے۔ ظالم لوگ فقط قتل سے ہی نہیں رکیں گے بلکہ جارحانہ حملے سے بھی باز آجائیں گے کہ مبادا کوئی عضو نہ ٹوٹ جائے لفظ قصاص ال کی وجہ سے معرفہ ہے۔ اس لئے اس سے جان کے بدلے جان ہی مراد لی جا سکتی ہے اس حکم نے جاہلیت کے اس حکم کو بھی مٹا دیا کہ بعض اوقات ایک جان کے بدلے سینکڑوں کی جانیں تلف ہو جاتی تھیں اور اہل عرب اس کو جائز سمجھتے تھے۔ قصاص کے لفظ نے ان لوگوں کی زندگیوں کو محفوظ کر دیا جن کا قتل میں کوئی حصہ نہ تھا۔ مزید برآں قصاص اور حیوۃ میں صنعت مقابلہ ہے۔ قتل کا لفظ طبائع سلیم کیلئے قابل نفرت ہے جبکہ قصاص اور حیوۃ کے الفاظ مانوس طبع ہیں۔ یہاں پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ عرب زباندانوں کے جملے اس آیت کے سامنے سجدہ ریز دکھائی دیتے ہیں۔

مؤخر کو مقدم اور مقدم کو مؤخر

قرآن مجید میں بعض مقامات پر مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر کے لطافت پیدا کر دی گئی ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

ا۔ حضرت مریمؑ کو فرمایا گیا

"یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ" (آل عمران: ۴۳)

[اے مریم! بند گی کر اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے]

اس آیت کریمہ میں سجدے کا لفظ پہلے لایا گیا اور رکوع کا لفظ بعد میں جبکہ نماز میں رکوع پہلے ہوتا ہے سجدہ بعد میں ہوتا ہے۔ اس تقدم و تاخر میں دو حکمتیں ہیں

ایک تو یہ کہ اس آیت میں رکوع کو ممتاز کیا گیا ہے۔ تفسیر عثمانی کے مطابق یہودیوں کی نماز میں رکوع نہیں تھا لہٰذا انعام خداوندی کو بیان کرنے اور اس کی امتیازی شان اجاگر کرنے کیلئے رکوع کا تذکرہ بعد میں کیا۔

دوسرا یہ کہا گیا کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرو اور امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہونے والے کو چونکہ رکعت کا پانے والا سمجھا جاتا ہے اس لئے نماز کو بعنوان رکوع تعبیر کیا گیا (كَمَا يُفْهَمُ مِنْ كَلَامِ ابْنِ تَيْمِيَةَ فِيْ فَتَاوٰه) اس سے معلوم ہوا کہ مؤخر کو مقدم کرنے اور مقدم کو موخر کرنے میں بھی لطافت بیان موجود ہے۔

2 ارشاد باری تعالیٰ ہے اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا (الکهف: ۹۶)

[لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا ہوا تانبا]

اس میں تقدیر کلام یوں تھی۔ اتونی قطرا افرغ علیه مگر مقدم کو مؤخر کرنے کی وجہ سے کلام میں روانی آگئی ہے ۔

3 ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا٥ قَيِّمًا (الکهف: ۱،۲)

اس آیت میں تقدیر کلام یوں ہے۔

انزل علی عبده الكتب قيما ولم يجعل له عوجا

یہاں مقدم کو مئوخر کرنے میں کلام کی سلاست وروانی میں اضافہ ہوا

التفات سے حسن کلام میں اضافہ :

التفات کے معنی ہیں مڑ کر دیکھنا۔ اصطلاح میں کلام کا رخ مقتضائے ظاہری سے پلٹ دینے کو التفات کہتے ہیں۔ اس سے کلام میں تنوع پیدا ہوتا ہے طرز بیان کی رنگ برنگی کلام کو بوجھل نہیں ہونے دیتی بلکہ اس کی دلچسپیاں کلام کو مرغوب طبع بنا دیتی ہیں آیت مبارکہ ہے کہ

وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ [یٰسین ع ۲]

"کیا وجہ ہے کہ اسکی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم سب اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو"

اس آیت میں طرز کلام تکلم پر ہے صورتحال کا تقاضا یہ تھا کہ ترجعون صیغہ خطاب کی بجائے یہاں پر ارجع ہوتا مگر سطحی نظر سے دیکھنے والوں کو بات سمجھ نہیں آتی۔ یہاں پر بلاغت کلام کی حد ہو گئی ہے۔ حقیقت حال کو سمجھنے کیلئے سباق آیت پر غور کرنا پڑے گا۔ پچھلی چند آیات کو پڑھنے سے وضاحت ہوتی ہے کہ اصحاب قریہ ان رسولوں سے نہایت برہم تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ (لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ) "اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے"

ایسے دشمنان جان کو سمجھانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا نہایت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے ۔ حکمت سے کام لینا پڑتا ہے۔ بات کا انداز ایسا ہونا چاہیے کہ مخاطب بھڑک کر کوئی انتہائی قدم نہ اٹھالے۔ اسی لئے متکلم نے اپنے اوپر رکھ کر یوں کہا کہ میں خدا کی پرستش کیوں نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا مگر آخر پر یہ بھی کہہ دیا کہ تم اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو۔ ظاہر ہے کہ متکلم نے تدبر اور موقع شناسی سے کام لیا اس طرح نصیحت بھی پہنچ گئی اور مخاطب مشتعل بھی نہ ہوا۔ اسی کو کہتے ہیں کہ سانپ بھی مر گیا لاٹھی بھی نہ ٹوٹی ۔ بلاغت کلام کی کس قدر عمدہ مثال ہے ۔ مخاطبت سے غائب اور غائب سے مخاطبت کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

1 ارشاد باری تعالیٰ ہے

"وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ ۝ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ"۝ (ھود ع ۸)

(اپنے رب سے مغفرت مانگو اور اس کے سامنے توبہ کرو۔ بلاشبہ میرا رب رحم کرنے والا اور محبت کرنے والا ہے) اس آیت میں خطاب تکلم کی طرف التفات کیا گیا جس سے اللہ تعالیٰ کی صفات رحمت اور وداد کے بیان کرنے میں بہت زور پیدا ہو گیا ہے۔ متکلم کو اپنے پروردگار کی رحمت پر کس قدر ناز ہے۔ ویسے بھی محبت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ جب بھی موقع ملے محبوب کو اپنا کہہ کر بات کی جائے۔ تمہارا کہہ کر بات کرنا دل کو ناگوار گزرتا ہے۔ اس لئے متکلم نے مخاطب کو توبہ استغفار کرنے کی ترغیب دینے کے بعد یہ نہیں کہا کہ تمہارا پروردگار رحیم اور ودود ہے محبت بھی محبت کرنے سے ہی سمجھ آتی ہے۔ بقول شاعر

عزت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم
گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

(مجھے اپنی آنکھوں سے غیرت آتی ہے۔ اور نہیں چاہتا کہ وہ بھی تیری صورت کو دیکھیں)
(اور کان کو بھی اپنا غیر سمجھتا ہوں۔ اور نہیں چاہتا کہ تیری دلفریب باتیں سنے)

2 ارشاد باری تعالیٰ ہے

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" (فاتحہ ۱. ۲. ۳. ۴)

[تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ قیامت کے دن کا مالک ہے۔ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں] اس سورۃ کے شروع میں کنایہ تھا لیکن (ایاک نعبد) سے التفات غیب سے خطاب کی طرف کر لیا گیا اس کی تفصیل یہ ہے جب انسان اپنے رب کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کے

دل میں اس کی طرف متوجہ ہو کر ہم کلامی کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔اسی خواہش متکلم کے کلام کا رخ غیب سے خطاب کی طرف پھیر دیا متکلم نے محبت الٰہی میں سرشار ہو کر کہا ایاك نعبد وایاك نستعین اے اللہ میں تیری ہی دھن میں لگا ہوا ہوں اور تجھ سے ہی مدد کا طلبگار ہوں ۔معانی کی یہ وسعت اسی حسن التفات کی بدولت ہے۔مزید برآں چونکہ ہر اچھے کلام کا اختتام دعائیہ کلمات پر ہوتا ہے اسی لئے کنایہ سے مخاطبت کی طرف رخ موڑا گیا اور اسی سورۃ کے آخر پر انتہائی اہم دعا مانگی گئی کہ اے پروردگار ہمیں سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرما۔یہی کلام الٰہی کے نزول کا مقصد تھا اور دیباچہ کتاب یا فاتحۃ الکتاب میں اس کے تذکرے نے چار چاند لگا دیئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

3 (حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا)

[یہاں تک کہ جب تم بیٹھے کشتیوں میں اور لے چلیں وہ لوگوں کو اچھی ہوا کے ساتھ خوش ہو گئے لوگ ساتھ اس کے] (یونس:۲۲)

اس آیت میں مخاطبت کی وجہ سے کنتم کا تذکرہ ہے لیکن بعد میں بھم کی طرف سے رجوع ہو گیا ہے۔ ظاہر کا تقاضا تھا کہ وجرین بکم کہا جاتا۔مگر غائب کا صیغہ استعمال کر کے سلسلہ کلام کا رخ تبدیل کر لیا گیا

ارشاد باری تعالیٰ ہے

4 اَللّٰهُ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ

ظاہر کا تقاضا تھا کہ غائب کے بعد غائب کا صیغہ ذکر کیا جاتا اللہ الذی ارسل الریاح فتثیر سحابا فساقہ الی بلدمیت مگر ساقہ کی جگہ سقنا لا کر عبارت میں جمال پیدا کر دیا گیا۔

تذکرہ دو کا مگر ضمیر واحد کی

قرآن مجید میں کبھی دو چیزوں کا تذکرہ کر کے کسی خاص غرض سے ضمیر واحد کا استعمال کیا جاتا ہے چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

9 ارشاد باری تعالیٰ ہے .

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ٥ (التوبة : ٣٤)

[اور جو لوگ سنبھال کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اس کو اللہ کے راستے میں آپ ان کو خوشخبری سنا دیں دردناک عذاب کی]

اس میں ظاہر کے اعتبار سے ولاینفقونہما ہونا چاہیئے تھا مگر ضمیر واحد نے زور پیدا کر دیا اور معنی میں بھی کوئی خلل نہیں پیدا ہوا کیونکہ زکوٰۃ میں سونے اور چاندی دونوں کا نکالنا ضروری نہیں۔ صرف چاندی بھی دی جا سکتی ہے۔ مزید برآں بہ نسبت سونے کے چاندی کا دینا طبعاً آسان ہے اس لیئے چاندی نہ خرچ کرنا انکی شدت بخل کی طرف بھی اشارہ ہے اور اگر ضمیر کا مرجع زکوٰۃ ہو پھر بھی کوئی اشکال نہیں۔

2 ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْلَهْوًا نِانْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا . (الجمعہ : ١١)

[اور جب دیکھتے ہیں تجارت کو یا کھیل کو متفرق ہو جاتے ہیں اس کی طرف اور چھوڑتے ہیں آپ کو کھڑا] اس میں الیھما کی جگہ الیھا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ مقصود تجارت ہے نہ کہ لہو و لعب۔

3 ارشاد باری تعالیٰ ہے

4 وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يَّرْضُوْهُ (التوبة : ٦٢)

[اللہ اور اس کا رسول زیادہ ضروری ہے کہ اس کو راضی کریں]

اس میں یرضوھما کی بجائے یرضوہ کا لفظ لایا گیا ہے اور معنی میں کوئی فرق نہیں آیا کیونکہ جو اللہ کی رضا اس کے رسول کی رضا بھی وہی ہوگی۔

5 ارشاد باری تعالیٰ ہے ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا (الحج : ٥)

[پھر نکالتا ہے تم کو لڑکا]

اس میں اطفال آنا چاہیئے تھا مگر کل واحد کی تاویل کر کے طفل لایا گیا مفہوم یوں ہوا

ثم تخرج کل واحد منکم طفلا [پھر نکالتا ہے تم میں سے ہر ایک کو لڑکا]

6 ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ (الحجر : ٦٨)

[تحقیق یہ لوگ میرے مہمان ہیں]

اس میں تقدیر کلام اضیافی ہے کیونکہ یہ حقیقت میں مصدر ہے تمام صیغوں کیلئے آتا ہے مگر چونکہ جمع کیلئے اضیاف ضیوف مستعمل ہے اس لئے ضیفی کو اضیافی کے معنی میں لیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

"قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ" وَّ كِتَابٌ" مُّبِيْنٌ" ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ" (المائدہ: ١٥۔١٧)

[تحقیق تمہارے پاس آیا اللہ کی طرف سے نور اور بیان کرنے والی کتاب۔ اللہ ہدایت دیتا ہے اس کے ساتھ سلامتی والے راستوں کی جو پیروی کرے اس کی رضامندی کی]

ظاہر کا تقاضا تھا کہ یھدی بھما کہا جاتا مگر ضمیر واحد لائی گئی کیونکہ نور سے مراد بھی کتاب ہی ہے اور اگر نور سے مراد آنحضرت ﷺ ہوں تو بھی ضمیر مفرد لانے میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ

آپ چلتے پھرتے قرآن تھے۔آپ ﷺ کی اتباع قرآن کی اتباع تھی۔

حفظ توازن

قرآن مجید میں کلام کے دوران روانی و بے ساختگی کا بڑا خیال رکھا گیا ہے اس کی خاطر جہاں توازن الفاظ کی ضرورت پڑی وہاں تزید و تخفیف سے کام لیا گیا ہے۔

تزید کی مثالیں

1 وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا (الاحزاب : ۱۰)[اور تم اللہ کے بارے میں مختلف گمان کر رہے ہو] لفظ اصل میں الظنون ہے مگر وقعت کی رعایت رکھتے ہوئے الف بڑھایا گیا لہذا "الظنونا" پڑھا جائیگا۔

2 فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا (الاحزاب : ٦٧)" السبیل " کے آخر میں الف زائد ہے فاصلہ کی رعایت کیلئے۔

۲۔ تخفیف کی مثالیں

1 وَمَآ اَدْرٰكَ مَاهِيَهْ (القارعۃ : ۱۰) سکتہ زائد ہے جس طرح سورۃ الحاقۃ کی آیات میں مالیہ ،سلطانیہ ،کتابیہ ،حسابیہ ہیں۔

2 اَلْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ (الرعد : ۹)[سب سے بڑا برتر] اصل میں المتعالی ہے

3 يَوْمَ التَّنَادِ (الغافر : ۳۲)[ایک دوسرے کو پکارنے کا دن] اصل میں التنادی ہے

4 يَوْمَ التَّلَاقِ (الغافر : ۱۵) [ایک دوسرے سے ملاقات کا دن] اصل میں التلاقی ہے۔

5 وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ (الفجر : ۴)[اور رات کی قسم جب چلے] اصل میں ہے اذا یسری ان

سب میں فاصلہ کی رعایت کیلئے یا کو حذف کیا گیا۔

6 يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى (طه : ۷) [جانتا ہے وہ پوشیدہ کو اور چھپی ہوئی کو اس میں منه کو حذف کیا گیا ہے اصل میں ہے یعلم السر واخفیٰ منه

7 كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ (القيامة : ۲۶) اس میں نفس کو حذف کیا گیا ہے یا یوں کہا جائے کہ ضمیر کو بغیر مرجع کے لائے ہیں کیونکہ سیاق سے مرجع مفہوم ہوتا ہے اور اگر فاعل ضمیر کو بنائیں تو مرجع سیاق سے مفہوم ہوتا ہے۔

8 حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ (ص : ۳۲)

[یہاں تک کہ سورج چھپ گیا اوٹ میں] اس میں الشمس کو حذف کیا گیا ہے۔

9 كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (الرحمٰن : ۲۶) [جو کوئی ہے زمین پر فنا ہونے والا ہے] اس میں ھا ضمیر مجرد ہے اس کا مرجع الارض ہے جو لفظوں میں مذکور نہیں ہے۔

10 يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا (یوسف : ۲۹) [اے یوسف جانے دیجئے اس کے ذکر کو] اس میں یا یوسف ہونا چاہئے یا حرف ندا حذف کر دیا گیا ہے یہ بات ذہن نشین رہے کہ اگر حفظ توازن سے معنی خراب ہوتے ہوں تو معنی کی جانب کو ترجیح دیتے ہیں جیسے سورۃ نجم کی آخری آیت فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا [پس سجدہ کرو اللہ کو اور عبادت کرو] کے آخر میں حرف واؤ توازن کے لئے ہے واعبدون نہ کہہ دیا گیا کیونکہ اس وقت معنی فاسد ہوتے ہیں۔

تکریر والاعادۃ :

اگر کوئی شخص اپنی گفتگو کے دوران کسی لفظ یا فقرے کو بار بار دہرائے تو عام طور پر سننے والے کو ناگواری ہوتی ہے مگر قرآن مجید میں بعض آیات اور الفاظ کو اس طرح مکرر لایا گیا ہے کہ کلام کے جمال میں اضافہ ہوا ہے اور سننے والے کو قند مکرر کا مزہ نصیب ہوتا ہے۔

1 ارشاد باری تعالیٰ ہے، فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ [پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے] یہ آیت سورۃ رحمٰن میں ۳۵ مرتبہ دہرائی گئی مگر پڑھنے اور سننے والے کو ہر دفعہ نیا لطف عطا کرتی ہے۔

2 ارشاد باری تعالیٰ ہے،

وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ [خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کیلئے]

یہ آیت سورۃ مرسلات میں ۱۰ مرتبہ آئی ہے مگر ہر دفعہ قاری کے دل میں قیامت کی ہولناکی کو بڑھاتی ہے۔

3 ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی (القیامۃ : ۳۴،۳۵)

[خرابی ہے تیرے لئے پھر خرابی ہے تیرے لئے پھر خرابی ہے] اس میں ایک ہی فقرے کو دو مرتبہ لا کر کلام کی قوت کو بڑھا دیا گیا ہے۔

باب نمبر 3

لطائف قرآنیہ

قرآن مجید لطائف و معارف کا بیش قیمت خزانہ ہے۔ مفسرین حضرات نے اپنی اپنی تفاسیر میں جابجا ان کی نشاندہی فرمائی ہے۔ بعض اکابرین نے تو مستقل اسی عنوان پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔ درج ذیل میں ان سب کی تلخیص پیش کی جاتی ہے۔

1 **اسمان لکلام اللہ** . اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو نبی علیہ السلام پر نازل فرمایا اور اس کے دو نام قرآن اور کتاب رکھے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ (الاسراء ۹)

(یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہیں)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ ۲.۱)

(اس کتاب میں کچھ شک نہیں راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو)

ایک آیت میں دونوں نام استعمال کئے گئے

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِىْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ (الواقعہ ۷۸.۷۷)

(بے شک یہ قرآن ہے عزت والا لکھا ہوا ہے ایک پوشیدہ کتاب میں)

فائدہ : ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ کلام اللہ کے دو نام قرآن اور کتاب ہیں۔ دونوں نام اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ اس کلام کی حفاظت دو طریقوں سے ہو گی ایک قرأت کے ذریعے

دوسری کتابت کے ذریعے۔ امت مسلمہ میں آج تک انہی دو طریقوں سے حفاظت ہو رہی ہے۔ ایک تو حفظ کے ذریعے سینوں میں محفوظ دوسرا نشر و طباعت کے ذریعے سفینوں میں محفوظ ۔ پروردگار عالم نے اپنے کلام کیلئے کتنے خوبصورت نام تجویز کئے جو اسم با مسمّٰی ہیں۔

2 حروف مقطعات :

قرآن مجید کی بعض سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات لائے گئے ہیں۔ ان کے صحیح معانی تو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کو ہی معلوم ہیں تاہم مفسرین کرام نے چند ایک کی نشاندہی بھی کی ہے۔ مثلاً

☆ الف سے مراد اللہ تعالیٰ، لام سے مراد جبرئیلؑ اور م سے مراد حضرت محمد ﷺ، مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام جبرئیل علیہ السلام کی وساطت سے حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا گیا۔

☆ جن سورتوں کے شروع میں الف کا حرف ہے ان کی ابتدائی آیات میں قرآن مجید کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

☆ جن سورتوں کے شروع میں ط کا حرف ہے ان سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ دیکھنے میں بھی حرف ط کی شکل ایسی ہے جیسے سانپ کنڈلی مار کر بیٹھا ہوتا ہے۔

☆ کفار و مشرکین کو یہ بات سمجھائی گئی کہ کلام اللہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اس کے الفاظ و کلمات انہی حروف سے بنے ہیں جن حروف سے بنی ہوئی زبان میں تم لوگ گفتگو کرتے ہو۔ اگر تمہیں اس کے کلام اللہ ہونے میں شک ہے تو پھر اس جیسی چند آیات بنا کر دکھا دو۔ سارے انسان اور جن مل کر بھی آج تک قرآن کریم کے اس دعوے کو پورا نہ کر سکے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔

☆ حروف مقطعات کی تعداد بغیر تکرار کے گنی جائے تو چودہ بنتی ہے جبکہ عربی زبان میں حروف الھجاء کی تعداد اٹھائیس ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اے مشرکین مکہ۔ ہم نے آدھے حروف

کے استعمال سے قرآن کو سجایا ہے۔بقیہ آدھے حروف کو استعمال کر کے تم ایسا کلام بنا کر دکھاؤ۔

☆ حروف مقطعات کو ایک فقرے کی شکل میں جمع کیا جائے تو وہ فقرہ یوں بنے گا۔

نص حكيم قاطع له سر

☆ بعض علمائے لغت نے لا کو بھی حروف الھجاء میں شامل کر کے ان کی تعداد انتیس بتائی ہے۔

اگر حروف مقطعات والی سورتوں کی تعداد کو گنا جائے تو وہ بھی انتیس بنتی ہے۔

☆ ایک حرف مقطعہ والی سورتوں کی تعداد تین ہے۔

☆ دو حروف مقطعات والی سورتوں کی تعداد نو ہے۔

☆ تین حروف مقطعات والی سورتوں کی تعداد تیرہ ہے۔

☆ چار حروف مقطعات والی سورتوں کی تعداد دو ہے۔

☆ پانچ حروف مقطعات والی سورتوں کی تعداد دو ہے۔

☆ الٓمٓ سے شروع ہونے والی سورتیں دو جگہ ترتیب سے آئی ہیں۔

پہلی جگہ :البقره. آل عمران. الاعراف

دوسری جگہ :العنكبوت: الروم . لقمان ..السجده

☆الٓر کے حروف والی سورتیں ایک ہی جگہ ترتیب سے آئی ہیں۔

يونس. هود. يوسف. الرعد. ابرهيم. الحجر

☆ مجموعہ طواسین یعنی طس اور طسم ایک ہی جگہ ترتیب سے آئی ہیں۔

الشعراء. النمل . القصص

☆ حٰمٓ والی سورتیں (الحواميم)ایک ہی جگہ ترتیب سے آئی ہیں۔

غافر. فصلت. الشورٰى . الزخرف . الدخان . الجاثيه. الاحقاف

☆ جن سورتوں کے نام حروف مقطعات پر رکھے گئے ہیں وہ چار ہیں۔

طٰہٰ. یٰس. صٓ.قٓ

☆ سورة القلم کی ابتداء حرف مقطعہ نٓ سے شروع ہوئی۔اس کی شکل دوات کی سی ہے جس سے سیاہی لیکر قلم سے لکھا جاتا ہے۔عربی زبان میں نٓ سے مچھلی مراد لی جاتی ہے اور اس سورة میں حضرت یونسؑ کا ذکر بھی ہے،

☆ سورة مریم کے حروف مقطعات کھیعص ہیں جن میں سے ك اور ھا صرف اسی جگہ آئے ہیں اور کہیں نہیں آئے۔حضرت علیؓ اپنی دعا میں یا کھیعص کہہ کر دعا مانگتے تھے۔ان کے نزدیک یہ اسمائے الٰہی میں سے ہے۔

☆ سعید بن جبیرؒ کہتے تھے کہ حروف مقطعات اسمائے الٰہی کے اجزا ہیں جیسے الر۔حم. ن، مل کر الرحمٰن بنتے ہیں۔یا محبّ و محبوب کے درمیان اشارات ہیں۔[1] اختصار کی وجہ سے ایک حرف سے اس رمز کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے۔چنانچہ بعض عرب کے اشعار سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

ا تحسبی انا نسینا الا یجا ف. قلت لھا قفی فقا لت لی قاف(میں نے محبوبہ سے کہا کہ تم یہ نہ سوچنا کہ ہم اونٹ دوڑانا بھول گئے۔پس ٹھہر جا اس نے کہا ٹھہر گئی)اس شعر میں قاف سے مراد وقفت ہے۔

☆ حروف مقطعات کو لانے میں ایک عجیب رمز ہے جس نے عقلوں کو حیران کر دیا ہے۔ قواعد تجوید کی رو سے حروف کی جتنی بھی اقسام ہیں ان میں سے ہر قسم کے نصف حروف کو حروف مقطعات میں لایا گیا ہے۔چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

1 کل حروف مھموسہ ہیں یا مجھورہ ہیں۔مھموسہ کی تعداد دس ہے۔ س، ت، ش، ح، ث، ك، خ، ص، ف، ہ۔ان میں سے پانچ ح، ہ، ص، س، ك. حروف مقطعات میں سے ہیں۔

باقی اٹھارہ حروف مجہورہ ہیں ان میں سے نو حروف مقطعات میں سے ہیں جیسے

ل.ن.ی.ق.ط.ع.ء.م.ر

2 کل حروف شدیدہ ہیں یا رخوہ ہیں۔ پس کل آٹھ حروف شدیدہ ہیں

ء.ج.د.ت.ط.ی.ق.ك.

ان میں سے چار حروف مقطعات میں سے ہیں

ء.ق.ط.ك

باقی بیس حروف رخوہ ہیں ان میں سے دس حروف مقطعات ہیں

ح.م.س.ع.ل.ی.ن.ص.ر.ہ

کل حروف مطبقہ ہیں یا منفتحہ ہیں۔ مطبقہ کی تعداد چار ہیں

ص.ط.ض.ظ

ان میں سے دو حروف مقطعات ہیں ص.ط

باقی چوبیس حروف منفتحہ ہیں جن میں بارہ عدد حروف مقطعات میں سے ہیں۔

حروف قلقلہ پانچ ہیں ق.ط.ب.ج.د۔ ان میں سے دو حروف مقطعات ہیں ط اور ق۔

نصف اقل لینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ حروف کم استعمال ہوتے ہیں۔

حروف لین دو ہیں و۔ی۔ ان میں سے ی حرف مقطعہ ہے ثقل میں بھی کم ہے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ حروف مقطعات کو تین جگہ مفرد لایا گیا ہے جیسے

صٓ.قٓ.نٓ

اس میں اشارہ ہے کہ حروف مفردہ۔ اسم، فعل اور حرف تینوں جگہ پائے جاتے ہیں۔

☆ اسم جیسے کاف خطاب

☆ فعل جیسے قِ اور لِ کہ وقی یقی اور ولی یلی کا امر ہے

☆ حرف جیسے بائے جر اور کاف تشبیہ

حروف مقطعات دو دو مل کر چار جگہ آئے ہیں مثلاً

طٰہٰ. طٰسٓ. یٰسٓ. حٰمٓ.

اس میں اشارہ ہے کہ

☆ حرف میں دو کا مجموعہ بغیر حذف کے ہوتا ہے جیسا کہ بل

☆ فعل میں دو کا مجموعہ بحذف ہوتا ہے جیسا کہ قل

☆ اسم میں دو کا مجموعہ دونوں طرح سے ہوتا ہے بغیر حذف کے جیسا کہ من اور بحذف کے جیسا کہ دم

حروف مقطعات میں دو کا مجموعہ نو سورتوں کے شروع میں آیا ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ دو کا مجموعہ اسم، فعل اور حرف میں فتح، ضمہ، کسرہ پایا جاتا ہے۔

☆ اسم میں اذ. ذو. من

☆ فعل میں قل. بع خف

☆ حرف میں ان. من. مذ

حروف مقطعات میں تین کے مجموعے تیرہ عدد ہیں جیسے الم الر. طسم وغیرہ ان کو تیرہ سورتوں کے شروع میں لانے میں اشارہ ہے کہ ثلاثی مجرد کے اوزان تیرہ عدد ہیں جو لغت عرب میں زیادہ مستعمل ہیں جیسے

☆ اسم ثلاثی کے دس ہیں فلس. فرس. کتف. عضد. حبر. عنب. ابل. قفل. صرد. عنق

☆ فعل ماضی کے تین ہیں جیسے نصر. علم. شرف

حروف مقطعات میں چار کے مجموعے دو عدد ہیں جیسے المر. المص۔ اور پانچ کے مجموعے بھی دو عدد ہیں جیسے کھیعص. حمعسق

اس میں اشارہ ہے کہ رباعی اور خماسی کے دو وزن ہیں

☆ ایک اصلی جیسے جعفر اور سفر جل

☆ ایک ملحق جیسے قرودداور حجنفل

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حروف مقطعات کو ایک جگہ لانے کی بجائے 29 سورتوں کے شروع میں لایا گیا تاکہ انسانی عقلیں ان کے اسرار ورموز کو جان کر حیران رہ جائیں اور اس بات کو تسلیم کر لیں کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔ یہ کسی انسان کی کاوش نہیں ہے

3 ترتیب السور المتفتحة بالتسبیح:

قرآن مجید میں تسبیح سے شروع ہونے والی سورتوں کی تعداد سات ہے۔ ان سورتوں میں خاص بات یہ ہے کہ مادہ "التسبیح" کہ اشتقاقات کو ترتیب سے استعمال کیا گیا ہے. وھو ھذا

مصدر - ماضی - فعل مضارع - فعل امر

سبحان - سبح - یسبح - سبح

☆ چنانچہ سورۃ الاسراء لفظ سبحان سے شروع ہوتی ہے۔ سبحن الذی اسرٰی..........

☆ سورۃ الحدید والحشر والصف لفظ سبح سے شروع ہوتی ہیں۔ سبح للہ مافی السموت..........

☆ سورۃ الجمعہ والتغابن لفظ یسبح سے شروع ہوتیں ہے۔ یسبح للہ ما فی السموت..........

☆ سورۃ الاعلیٰ لفظ سبح سے شروع ہوتی ہے سبح اسم ربك الاعلیٰ......

اشتقاقات کی یہ ترتیب اعجاز قرآن کی ایک عمدہ مثال ہے۔

4 واؤ الثمانیہ فی القرآن :

قرآن مجید کی بعض آیات میں مومنین اور مومنات کی صفات یا ان کی تعداد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ان تمام آیات میں ساتویں اور آٹھویں جگہ کے درمیان واؤ عطف استعمال

ہوا ہے۔ علماء نے اس کا نام واوٴ الثمانیہ رکھ دیا ہے۔ مثالیں درج ذیل ہیں۔

☆ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (التوبہ ۱۱۲) (وہ توبہ کرنے والے ہیں بندگی کرنے والے شکر کرنے والے بے تعلق رہنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے حکم کرنے والے نیک بات کا اور منع کرنے والے بری بات سے اور حفاظت کرنے والے اُن حدود کی جو باندھی اللہ نے اور خوشخبری سنادی ایمان والوں کو)

اس آیت میں ساتویں صفت الامرون بالمعروف اور آٹھویں صفت الناھون عن المنکر کے درمیان واوٴ عطف استعمال ہوا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مغائرت ہے ایک وقت میں ایک عمل کرنا ہی ممکن ہے یا تو امر بالمعروف یا پھر نہی عن المنکر ایک ہی وقت دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

☆ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا (التحریم ۵)

(اگر نبیؐ چھوڑ دے تم سب کو ابھی اس کا رب بدلے میں دیدے اس کو عورتیں تم سے بہتر حکم بردار یقین رکھنے والیاں نماز میں کھڑی ہونے والیاں توبہ کرنے والیاں بندگی بجالانے والیاں روزے رکھنے والیاں بیاہیاں اور کنواریاں] اس آیت میں ثیبت اور ابکارا میں واوٴ عطف استعمال ہوا ہے۔ یہ دونوں صفات ایک ہی وقت میں کسی عورت میں جمع نہیں ہو سکتیں یا تو ثیبت میں سے ہو گی یا ابکارا میں سے ہو گی۔ یعنی مدخولہ ہو گی یا غیر مدخولہ۔

☆ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ

رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَ يَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ" وَّ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ. قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ" (الکہف ۲۲)

[اب یہی کہیں گے وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا اور یہ بھی کہیں گے وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا بدون نشانہ دیکھے پتھر چلانا اور یہ بھی کہیں گے وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا تو کہہ میرا رب خوب جانتا ہے ان کی گنتی، ان کی خبر نہیں رکھتے مگر تھوڑے لوگ] اس آیت میں بھی ساتویں اور آٹھویں کے درمیان واؤ ہے۔ اس واؤ میں ادبی، اخلاقی اور ذوقی معنی ہیں۔ ایک طرف ابرار، اطہار، نیکوکار اصحاب کہف کا تذکرہ ہے۔ دوسری طرف ان کے کتے کا تذکرہ ہے۔ ایک طرف اشرف المخلوقات ہیں دوسری طرف حیوان ہے اس سے پہلے واؤ کا تذکرہ اس لئے نہ کیا کہ ان کا اندازہ غلط تھا کہ اصحاب کہف کی تعداد چھ تھی۔ لہٰذا اس تعداد کو رجما بالغیب کے الفاظ سے باطل کر دیا سات کے بعد واؤ لایا گیا پھر کتے کا تذکرہ کیا۔

5 لام الاخلاص:

ارشاد باری تعالیٰ ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الحدید ۱)

[اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا]

اس آیت میں سبح فعل کو اسم جلالہ اللہ کے ساتھ ملایا گیا ہے حرف جر کے واسطہ سے۔ چنانچہ لام جارہ ہے اور یہ حرف جارہ مبنی علی الکسر ہے۔

اس کے بلاغی اور ایمانی اعتبار سے دو معنی ہیں۔ بلاغت کے اعتبار سے تو اس کا معنی تقویت ہے یعنی اس نے فعل کو مفعول کے ساتھ ملانے کیلئے تقویت عطا کی۔ البتہ ایمانی اور ذوقی اعتبار سے اس کا معنی اخلاص ہے۔ پس مومن کو چاہئے کہ صرف اور صرف اللہ ہی کی تسبیح بیان کرے۔ اس

کا اجر اللہ تعالیٰ ہی سے چاہیے اسی لئے للہ کے لام کو لام الاخلاص کا نام دیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کے سوا کسی کی تسبیح کرنے کی اجازت نہیں۔

6 هاء الرفعة (عليهُ الله):

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَا يِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَا يِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْ تِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (الفتح ۱۰) [تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے اللہ کا ہاتھ ہے اُوپر ان کے ہاتھ کے پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنے نقصان کو اور جو کوئی پورہ کرے اس چیز کو جس پر اقرار کیا اللہ سے تو وہ اس کو دے گا بدلہ بہت بڑا]

عربی قواعد کی رو سے لفظ علیہ کی ہ کو مکسورہ ہونا چاہئے چونکہ یہ مفرد غائب کی ضمیر ہے۔ اور اس سے پہلے علیٰ حرفِ جار ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پر ھاء کا کسرہ ضمہ میں کیسے بدل گیا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صحابہ کرامؓ نے نبی ﷺ کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

(تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے)

نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا "اَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرُ اَهْلِ الْاَرْضِ" (مسلم شریف)

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو یہ شرف بخشا اور فرمایا · يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (اللہ کا ہاتھ ہیں اوپر ان کے ہاتھ کے) اس شرف و رفعت نے ھاء کے کسرہ کو ضمہ میں تبدیل کر دیا چونکہ کسرہ رفعت کے شایان شان نہیں ہوتا۔ اس بنا پر اس کا نام ھاء الرفعة رکھا گیا۔

7 هاء الخفض (فِيْهِ مُهَانًا)

ارشادباری تعالیٰ ہے

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا (الفرقان ٦٨..٦٩)

(اور وہ لوگ کہ نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ دوسرے حاکم کو اور نہیں خون کرتے جان کا جسے حرام کر دیا اللہ نے مگر جہاں چاہے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی کرے یہ کام وہ جا پڑا گناہ میں دونا ہوگا اس کو عذاب قیامت کے دن اور پڑا رہے گا اس میں خوار ہو کر] علمائے قرأت و تجوید اس بات پر متفق ہیں کہ اس آیت میں فیہ کے لفظ میں ھا کے نیچے کسرہ پڑھا جائے گا۔ گویا ویخلد مھانا کو (و یخلد فیھی مھانا) پڑھا جائے گا۔ عام دستور کے مطابق اگر ھا کے نیچے کسرہ ہو اور مابعد لفظ متحرک ہو تو ھا کو حرکتین کے مطابق لمبا کیا جا سکتا ہے البتہ اگر ھا کے بعد ہمزہ ہو تو ایسی صورت میں حرکتین سے زیادہ لمبا کیا جا سکتا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا صورت حال میں ھا کے بعد م ہے پھر بھی ھا کو حرکتین سے زیادہ لمبا کیا جاتا ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

مفسرین کرام نے اس نکتہ کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اگر اس آیت کے سیاق پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ شرک نہیں کرتے۔ کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے۔ اس کے بعد یہ بتایا ہے کہ جو شخص ان کبائر کا مرتکب ہوگا اسے شدید عذاب ہوگا اور وہ جہنم کی آگ میں ذلیل و خوار کر کے ڈالا جائے گا۔ یہاں اعجاز قرآن کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب ایسے ظالموں کو جہنم میں گرانے کا تذکرہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے فیہ کے لفظ میں ھا کو مدہ پڑھنے کو حکم دیا۔ اس سے صوتی اثرات بھی یوں محسوس ہوتے ہیں کہ جیسے کسی کو نہایت گہری جگہ پر ڈالا جا رہا ہے اور اس سے اسفل سافلین کے درجے

تک پہنچایا جارہا ہے۔ اس مناسبت سے اس کا نام "ھاء الخفض" رکھا گیا ہے۔

8 تاء الخفّہ:

☆ سورۃ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کا تفصیلی واقعہ موجود ہے۔ حضرت موسیٰ کے بار بار سوال پوچھنے پر حضرت خضرؑ نے فرمایا۔

هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا

(الکہف ۷۸) (اب جدائی ہے میرے اور تیرے درمیان اب جتلائے دیتا ہوں تجھ کو بھید ان باتوں کا جس پر تو صبر نہ کر سکا) جب کشتی میں سوراخ کرنے۔ بچے کو قتل کرنے اور یتیموں کی دیوار بنانے کی تفصیل بتائی تو پھر فرمایا

ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَالَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا (الکہف ۸۲)

(یہ ہے بھید ان چیزوں کا جن پر تو صبر نہ کر سکا)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں تستطع کا لفظ استعمال ہوا۔ جبکہ دوسری آیت میں تسطع کا لفظ استعمال کیا گیا پس "تا" کو حذف کرنے میں بھی کوئی لطیفہ ہے۔ پہلی آیت کے فعل میں تا کا ہونا اپنی اصل پر ہے لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔ ماضی "استطاع" ہے تو مضارع "تستطیع" ہے۔ البتہ تسطع میں تا کے حذف ہونے سے تقلیل ہوگئی ہے وجہ اسکی یہ ہے حضرت موسیٰؑ کے لئے تینوں کام سمجھ سے بالاتر تھے۔ ان کی طبیعت پر بوجھ تھا کہ ایسا کیوں کیا گیا ؟ اس لئے حضرت خضرؑ کے کلام میں لفظ "تستطع" اپنی اصل کے مطابق بولا گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تفصیل معلوم ہوگئی تو ان کا دل مطمئن ہوگیا ان کی طبیعت سے بوجھ اتر گیا۔ لہٰذا دوسری آیت میں تا کو حذف کر کے کلام کو بھی آسان کر دیا گیا۔ یہ کلام کا اعجاز ہے کہ ثقل نفسی کے زوال کے ساتھ ظاہری مناسبت کی وجہ سے تا کو حذف کر کے کلام میں حسن پیدا کر دیا گیا۔

☆اسی تاء الخفہ کی دوسری مثال سکندر ذوالقرنین کے واقعہ میں ہے۔

ارشادباری تعالیٰ ہے

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا (الکہف ۹۷)

(پھر نہ چڑھ سکیں اس پر اور نہ کر سکیں اس میں سوراخ)

اس آیت میں پہلے اسطاعوا کا لفظ ہے دوسری جگہ استطاعوا کا لفظ ہے۔

9 ألف العزة:العباد

ارشادباری تعالیٰ ہے

وَعِبَادُالرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا (الفرقان ۶۳)

(اور بندے رحمٰن کے وہ ہے جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں) اس آیت میں مومنین، صالحین کے لئے عباد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں عباد کا لفظ تقریباً سو مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ جن میں سے نوے سے زیادہ مرتبہ یہ لفظ مومنین کیلئے استعمال ہوا ہے مگر اس لفظ کی بناوٹ پر غور کیا جائے تو اس کے وسط میں الف موجود ہے۔ یہ حرف الف مومنین کی عزت وسربلندی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

ارشادباری تعالیٰ ہے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (المنفقون..۷)

(اور زور تو اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا ہے اور ایمان والوں کا)

پس مومنین کو دنیا میں جہاں ظاہری عزت دینے کا وعدہ کیا گیا وہاں ان کے لئے قرآن مجید میں بھی ایسا لفظ استعمال کیا گیا جس میں بلندی ہے۔ اسی لئے اس کا نام الف العزۃ رکھا گیا ہے۔

10 یاءُ الذِلَّةِ: اَلْعَبِیْدُ

قرآن مجید میں عبید کا لفظ پانچ جگہوں پر آیا ہے

☆ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدُ(آلعمران ۱۸۲)

[یہ بدلہ اس کا ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا اور اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر]

☆ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّا مٍ لِّلْعَبِيْدِ(الانفال ۵۱)

[یہ بدلہ ہے س کا جو تم نے آگے بھیجا اپنے ہاتھوں اور اس واسطے اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر]

☆ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ(الحج ۱۰)

[یہ اس کی وجہ سے جو آگے بھیج چکے تیرے دو ہاتھ اور اس وجہ سے کے اللہ نہیں ظلم کرتا بندوں پر]

☆ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَ مَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ(فصلت ۴۶)(جس نے بھلائی کی سو اپنے واسطے اور جس نے کی برائی سو وہ بھی اسی پر اور تیرا رب ایسا نہیں کے ظلم کرے بندوں پر

☆ مَايُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ(ق ۲۹)

(بدلتی نہیں بات میرے پاس اور میں ظلم نہیں کرتا بندوں پر)

ان پانچوں آیات میں عبید کا لفظ کفار اور مجرمین کے لئے استعمال ہوا یہ اعجاز قرآن کی کتنی عمدہ دلیل ہے کہ مومنین کیلئے عباد کا لفظ استعمال ہوا جس کے الف میں سربلندی ہے۔ اور لفظ عباد کو پڑھتے ہوئے بھی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی بلندی پر جا رہا ہو۔ جب کہ عبید کا لفظ کفار کیلئے استعمال کیا گیا اس کی 'ی' میں پستی ہے اور پڑھتے ہوئے بھی پستی کا تصور بنتا ہے اسی لئے اس کا نام یاء الذلۃ رکھا گیا۔ سبحان اللہ .

قرآن مجید کے الفاظ کا چناؤ اتنا پیارا ہے کہ ظاہر لفظ سے معنی کی طرف اشارہ مل جاتا ہے۔

11 مَیِّت''......اور......مَیْت''

قرآن مجید میں لفظ مَیِّت''مفرد کے لئے بارہ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور اس کی جمع میتون دو مرتبہ آئی ہے۔ جبکہ لفظ مَیْت''پانچ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ دونوں الفاظ کے حروف میں اور حرکات میں فرق کا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ دونوں قریب المعنی تو ہیں مگر مترادف نہیں ہیں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہے چاہے وہ فرق کتنا ہی لطیف کیوں نہ ہو۔ آیات قرآن میں غور کرنے سے یہ فرق نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔

☆اَلمَیِّت''من فیه روحه :.مَیِّت''کا لفظ اس کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں روح موجود ہو۔ وہ اپنی اجل کا منتظر ہو ابھی ملک الموت روح قبض کرنے کیلئے نہ آیا ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّكَ مَيِّت'' وَ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (زمر ۳۰)

(بے شک تو بھی مرتا ہے اور بھی مرتے ہیں)

اس آیت میں نبی ﷺ کو خطاب کیا گیا ہے کہ اے محبوب ﷺ آپ ﷺ نے بھی انتقال کرنا ہے اور ان کفار نے بھی مرنا ہے گویا ابھی موت کے انتظار میں ہیں۔

☆المَیْتُ مَنْ خَرَجَتْ رُوْحُهُ:.میت''کا لفظ اس کیلئے استعمال کیا جاتا ہے جس پر موت طاری ہو چکی ہو اس کے جسم سے روح نکال لی گئی ہو۔ اس کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

☆ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً م بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ (زخرف ۱۱)

(اور جس نے اُتارا آسمان سے پانی ماپ کر پھر ابھار کھڑا کیا ہم نے اس سے ایک دیس

مردہ کو اسی طرح تم کو بھی نکالے گے اس آیت میں میت" کا لفظ مردہ زمین کے لئے استعمال ہوا ہے جس کو بارش کے بعد زندگی مل جاتی ہے۔

☆ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ

(یس ۳۳)

[اور ایک نشانی انکے واسطے زمین مردہ اس کو ہم نے زندہ کر دیا اور نکالا اس میں سے اناج سو اسی میں سے کھاتے ہیں] اس آیت میں میت" کا لفظ مردہ زمین کے لئے استعمال ہوا ہے۔

☆ارشاد باری تعالیٰ ہے

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ

(المائدہ ۳ ۹)

[حرام ہوا تم پر مردہ جانور اور خون اور گوشت سؤر اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا] اس آیت میں میت" کا لفظ مردہ جانور کے لئے استعمال ہوا ہے۔

☆ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ

اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ط (الحجرات ۱۲)

[اور برا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو بھلا خوش لگتا ہے تم میں سے کسی کو کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو سو گھن آتا تم کو اس سے] اس آیت میں میت" کا لفظ مردہ انسان کیلئے استعمال ہوا ہے۔ پس جو شخص غیبت کرتا ہے وہ گویا مردہ انسان کا گوشت کھا رہا ہوتا ہے۔

☆ارشادباری تعالیٰ ہے

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ

(الانعام ۱۲۲)(بلاایک شخص جو کہ مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کو دی روشنی کہ لیے پھرتا ہے اس کو لوگوں میں) اس آیت میں یہ لفظ کافر کیلئے استعمال ہوا ہے جس کا دل معنوی اعتبار سے مردہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر مومن زندہ کی مانند ہے اور ہر کافر مردہ کی مانند ہے۔

☆ دلالة حركات الكلمتين على المعنى:

اگر مَیّت'' کے لفظ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی یاء کے اوپر تشدید ہے یعنی وہ انسان جس میں زندگی ہے وہ مختلف اعمال میں منہمک ہے حرکت موجود ہے۔ اگر میت'' کے لفظ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی یاء ساکنہ غیر متحرکہ ہے یعنی وہ انسان جس کی روح نکل گئی اور جسم بغیر حرکت کے موجود ہے۔ یہ دونوں معانی ایک شعر سے واضح ہو جاتے ہیں۔

و تسالنی تفسیر مَیت و میتٍ — فدونك ذاالتفسير ان كنت تعقل

فمن كان ذا روح فذلك مَيت'' — وما الميت الامن الى القبريحمل

12 مصر.......و.......مصراً:

قرآن مجید میں مصر کا لفظ چار مرتبہ آیا ہے۔

☆ارشادباری تعالیٰ ہے

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰهُ (یوسف ۲۱)

[اور کہا جس شخص نے خرید کیا اس کو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے رکھ اس کو] اس آیت میں مصر کے حاکم عزیز کا تذکرہ آیا ہے جس نے یوسفؑ کو خرید لیا۔

☆ارشادباری تعالیٰ ہے

قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِيْنَ (یوسف ۹۹)

(اور کہا داخل ہو مصر میں اللہ نے چاہا تو دل جمعی سے) حضرت یوسفؑ نے اپنے والدین اور بھائیوں کو شہر میں داخلے کے وقت یہ بات کہی۔

☆ارشادباری تعالیٰ ہ

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (زخرف ۵۱)

(اور پکارا فرعون نے اپنی قوم میں بولا اے میری قوم بھلا میرے ہاتھ میں نہیں حکومت مصر کی اور یہ نہریں چل رہی ہیں میرے محل کے نیچے کیا تم نہیں دیکھتے) اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ فرعون نے اپنی قوم کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کیا باتیں کہیں۔

☆ارشادباری تعالیٰ ہے

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً (یونس ۸۷)

(اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰؑ کو اور اس کے بھائی کو کے مقرر کرو اپنی قوم کے واسطے مصر میں سے گھر اور بناؤ اپنے گھر قبلہ رو) مندرجہ بالا چاروں آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کا لفظ خاص معروف شہر کیلئے استعمال ہوا ہے۔

☆ قرآن مجید میں مصراً کا لفظ ایک مرتبہ آیا ہے۔

ارشادباری تعالیٰ ہے

اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ (البقرہ ۶۱) [اترو کسی شہر میں تو تم کو ملے جو مانگتے ہو]

اس آیت میں مصراً کا لفظ کسی بھی شہر کیلئے استعمال ہوا ہے اس میں تعمیم ہے تخصیص نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مصر کا لفظ خاص شہر کیلئے استعمال ہوا جبکہ مصرا کا لفظ عمومی طور پ ہوا جبکہ مصرا کا لفظ عمومی طور پر کسی بھی شہر کیلئے استعمال ہوا ہے۔ مصرا کی تنوین نے اس میں عمومیت پیدا کر دی اس سے اعجاز قرآن کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک حرکت کے فرق سے لفظ کے استعمال نے معنی میں عجیب حسن پیدا کر دیا۔

13 نکر......و......منکر:

قرآن مجید میں دو لفظ متقارب استعمال ہوئے ہیں جن کا مادہ اصلیہ ایک ہی ہے۔ باب ثلاثی میں ...... نُکرًا۔ امام راغب اصفہانی نے المفردات میں لکھا ہے کہ انکار عرفان کی نمد ہے اور یہ زبان سے انکار کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ منکر ایسے کام کو کہتے ہیں جو عقل سلیم کے نزدیک قبیح ہو۔ قرآن مجید میں نکرا کا لفظ تین دفعہ آیا ہے جبکہ منکر کا لفظ سولہ مرتبہ آیا ہے۔

☆النکر فی القرآن :۔ النکر کہتے ہیں کہ انسان اپنی جہالت کی وجہ سے کسی چیز کو غلط سمجھے حالانکہ وہ شے حقیقت میں صحیح ہو۔ قرآنی آیات سے اس پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

حَتّٰی اِذَا لَقِیَا غُلٰماً فَقَتَلَه، قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْساً زَکِیَّةً بِغَیْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا نُکْرًا(الکهف ٧٤)[یہاں تک کے جب ملے ایک لڑکے سے تو اس کو مار ڈالا موسیٰ نے کہا کیا تو نے مار ڈالی ایک جان ستھری بغیر عوض کسی جان کے بے شک تو نے کی ایک چیز نامعقول)] جب حضرت خضر علیہ السلام نے بچے کو قتل کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے برا سمجھا اور کہا(لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا نُکْرًا)[بے شک تو نے کی ایک چیز نامعقول] حالانکہ خضر علیہ السلام اپنے کام میں حق بجانب تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا

(الطلاق ۸، ۹) اور کتنی بستیاں نکل چلیں حکم سے اپنے رب کے اور اس کے رسولوں کے پھر ہم نے حساب میں پکڑا ان کو سخت حساب میں اور آفت ڈالی ان پر بن دیکھی آفت پھر چکھی انہوں نے سزا اپنے کام کی اور آخر کو ان کے کام میں ٹوٹا آگیا] اس آیت میں عذاب الٰہی کیلئے نکر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ کافر لوگ اسے انتقام اور ظلم سمجھتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا عمل صحیح و صواب ہے اور عدل کے عین مطابق ہے پس نکر کا لفظ ایسے کام کیلئے استعمال ہوا ہے جو ظاہر میں خطا نظر آئے مگر در حقیقت وہ کام ٹھیک ہو۔

☆المنکر فی القرآن:۔ المنکر کا معنی برا کام، حرام کام یعنی فعل قبیح یا فعل شنیع

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا (مجادلہ ۲)

[اور وہ بولتے ہیں ایک ناپسند بات اور جھوٹی] اس آیت میں منکر کا لفظ غلط بات کیلئے استعمال ہوا ہے جو جھوٹ ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (ال عمران ۱۰۴)

[اور چاہیے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کریں برائی سے اور وہی پہنچے اپنی مراد کو] اس آیت میں منکر کا لفظ ہر غلط اور برے کام کیلئے استعمال ہوا ہے۔ پس حاصل کلام یہ ہوا کہ

☆ نکر اس عمل کو کہتے ہیں جو اللہ کے میزان میں صحیح ہو۔ اگرچہ لوگ اس کو برا سمجھیں۔

☆ منکر اس عمل کو کہتے ہیں جو اللہ کے میزان میں غلط ہو خواہ لوگ اسے صحیح سمجھیں۔

یہ دونوں الفاظ کس قدر خوبصورتی کے ساتھ مختلف معانی کیلئے استعمال ہوئے ہیں۔

14 نفد......و......نفذ:

قرآن مجید میں نفد کے اشتقاقات پانچ مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے

☆ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَاللّٰهِ بَاقٍ (النحل: ۹۶) [جو تمھارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے کبھی ختم نہیں ہوگا۔]

ارشاد باری تعالیٰ ہے

☆ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَالَهٗ مِنْ نَّفَادٍ (ص: ۵۴) [یہ ہے روزی ہماری دی ہوئی اس کو نہیں نبڑنا] ارشاد باری تعالیٰ ہے

☆ مَانَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ (لقمان: ۲۷) [نا تمام ہوں باتیں اللہ کی]

ارشاد باری تعالیٰ ہے

☆ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ (الکھف: ۱۰۹) بے شک دریا خرچ ہو چکے ابھی نہ پوری ہوئیں باتیں میرے رب کی۔ مندرجہ بالا تمام آیات میں لفظ نفد اور اس کے تمام اشتقاقات کا معنیٰ ایک ہی ہے اور وہ ہے ختم ہو جانا۔ فنا ہو جانا۔ کسی چیز کا کچھ بھی باقی نہ بچنا۔ قرآن مجید میں لفظ نفد ایک ہی آیت میں تین مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

☆ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ (الرحمن: ۳۳)

[اے گروہ جنوں اور انسانوں کے اگر ہو سکے کہ نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے تو نکل بھاگو نہیں نکل سکتے بدون سند کے]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ لفظ نفذ اس وقت استعمال ہوتا ہے کہ جب چیز ایک جگہ سے دوسری جگہ چلی جائے یعنی چیز کا وجود باقی رہے وہ ختم نہ ہو اب لفظ نفد کی بناوٹ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں د پر نقطہ نہیں ہے جس طرح د سے نقطہ ختم ہوا اسی طرح چیز ختم ہو جاتی ہے جبکہ لفظ نفذ میں آخری حرف پر نقطہ موجود ہے چونکہ یہ حرف کے اوپر ہے لہذا انفاذ کا لفظ اسی لئے استعمال ہوتا ہے کہ کوئی چیز چھا جائے اوپر لاگو ہو جائے جیسے انسانوں کی زندگی میں شریعت کا نافذ ہو جانا۔

15 الکرہ.....و.....الکرہ:.

قرآن مجید میں دو متقارب کلمات استعمال ہوئے ہیں جن کے معانی میں لطیف فرق ہے۔

☆ الکُرہ.....المشقة المرغوبه:۔ یہ کلمہ قرآن مجید میں تین مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ عَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ ۲۱۶)

(حکم ہوا تم پر لڑائی کا اور وہ بری لگتی ہے تم کو اور شاید تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تم کو ۔اور شاید تم اچھی لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تم کو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے)

اس آیت میں قتال کیلئے کُرہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ قتال انسانی طبائع پر بوجھ ہوتا ہے مگر مومنین اس کے ثمرات کو دیکھ کر اسے مرغوب بھی جانتے ہیں۔ گویا یہ مشقت مرغوبہ ہوئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (الاحقاف ۱۵)

(اور ہم نے حکم دیا ہے انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی کا۔ پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں نے تکلیف سے اور جنا اس کو تکلیف سے اور حمل میں رہنا اس کا اور دودھ چھوڑنا تیس مہینے میں ہے۔)

اس آیت میں عورت کے حمل اور وضع حمل کیلئے کُرہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کے دل میں ماں بننے کا اس قدر شوق رکھا ہوتا ہے کہ شادی کے چند سال بعد تک وہ حاملہ نہ ہو تو پریشان حال ہوتی ہے۔ کبھی ڈاکٹر کے کلینک پر چکر لگاتی ہے کبھی نیک لوگوں سے دعائیں کرواتی ہے۔ راتوں کو تہجد پڑھ کر اور تلاوت قرآن کر کے دعائیں مانگتی ہے کہ میری گود ہری ہو جائے۔ جب حاملہ ہوتی ہے تو نو ماہ بیماری کی حالت میں گزرتے ہیں۔ کبھی ابکائیاں آتی ہیں ، کبھی کھانے کی مہک اچھی نہیں لگتی۔ غرض ایام حمل بیماری کی سی حالت میں گزرتے ہیں۔ پھر وضع حمل کی تکلیف اتنی شدید ہوتی ہے کہ عورت موت و حیات کی کشمکش میں ہوتی ہے اس کے بعد کم از کم دو سال دودھ پلانے کی مدت میں ماں کو چوبیس گھنٹے بچے کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے۔ اس ساری کیفیت کو مشقت مرغوبہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

☆ اَلْكَرْهَ .....اَلْاِكْرَاهُ:۔ یہ کلمہ قرآن مجید میں پانچ جگہ پر استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۔قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ (حم السجدہ ۱۱)

(پھر کہا اس کو اور زمین کو ' آو دونوں خوشی سے یا زور سے وہ بولے ہم آئے خوشی سے)

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ . وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (آل عمران ۸۳)

[اب کچھ اور دین ڈھونڈتے ہیں سوائے دین اللہ کے اور اسی کے حکم میں ہے جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے خوشی سے یا زور سے اور اسی کی طرف پھر جائے گے]

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا

وَظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (الرعد ۱۵)

[اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے۔ جو کوئی ہے آسمان و زمین میں خوشی اور زور سے۔ اور ان کی پرچھائیاں صبح اور شام] ان آیات میں غور کرنے پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کَرہ کا لفظ جبر و اکراہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ گویا کرنے والے کا اپنا دل نہیں بھی چاہتا پھر بھی بامر مجبوری اس کو کوئی کام کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ کام لینے والا قادر مطلق ہے اس کی حکم عدولی کی گنجائش نہیں۔ ایک آیت میں کفار کے انفاق اموال کے متعلق بات کرتے ہوئے یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ.

اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (التوبہ ۵۳)

(خرچ کرو تم خوشی سے یا نا خوشی سے ہرگز قبول نہ ہوگا تم سے۔ تحقیق تم نافرمان لوگ ہو)

کفار کا مال خرچ کرنا چونکہ طیب نفس سے نہیں ہوتا بلکہ بوجھل دل کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہٰذا پروردگار عالم نے ان کی قلبی حالت کا پول بھی کھول دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ ان کا یہ عمل قبول بھی نہیں ہوگا۔

☆ایک یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے کہ وراثت کا مال تقسیم کرتے ہوئے مرد لوگ اپنی عورتوں کو حصہ دیتے ہوئے بوجھ محسوس کرتے ہیں۔ اکثر لوگ تو عورتوں کے مطالبے کے باوجود بھی انہیں کچھ نہیں دیتے اور کسی نہ کسی حیلے سے ان کی زبان بند کروا دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں ان کیلئے بھی یہی لفظ استعمال کیا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا (النساء ۱۹)

(اے ایمان والو حلال نہیں تم کو کہ میراث میں لے لو عورتوں کو زبردستی)

چنانچہ جو کام بوجھ ہو مگر دل کی خوشی سے کیا جائے تو اس کے لئے کُرہ کا لفظ استعمال کیا گیا۔ جو کام خود بھی بوجھ ہو اور دل کے بوجھ سے کیا جائے اس کیلئے اکراہ کا لفظ استعمال کیا گیا۔ قرآن مجید کا اعجاز دیکھیے کہ جو لفظ جہاں موزوں تھا وہیں استعمال کیا۔

16 اَلجِسمُ ......وَ......الجَسَدُ:

یہ دونوں الفاظ بھی کلمتان متقاربتان میں سے ہیں اور دونوں کا اطلاق بدن انسانی پر ہوتا ہے تاہم دونوں میں نہایت لطیف فرق ہے۔

☆اَلجِسمُ......اَلبَدَنُ فِيهِ حَيَاةٌ:

قرآن مجید میں جسم کا لفظ دو مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (البقرہ ۲٤۷)

(بے شک اللہ نے پسند فرمایا اسکو تم پر اور زیادہ فراخی دی اس کو علم اور جسم میں) اس آیت میں طالوت علیہ السلام کے بارے میں بتایا گیا کہ ان کا علم کثیر تھا اور بدن جسیم تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ (المنافقون ٤)

[اور جب تو دیکھے ان کو تو اچھے لگیں تجھ کو ان ڈیل اور اگر بات کہیں سنے تو ان کی بات کیسے ہیں جیسے کہ لکڑی لگادی دیوار سے)] اس آیت میں منافقین کی حالت بیان کی گئی ہے۔ دونوں آیات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جسم کا لفظ انسانی بدن کیلئے اس وقت استعمال ہوتا ہے جب اس میں روح موجود ہو۔

☆ اَلْجَسَدُ.....اَلْبَدَنُ جُثَّةٌ هَامِدَةٌ:

یہ لفظ قرآن مجید میں چار مرتبہ وارد ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلاً جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ

(الاعراف ١٤٨)([اور بنالیا موسیٰؑ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیور سے بچھڑا ایک بدن اس میں گائے کی آواز تھی)] اس آیت میں جسد کا لفظ جسم بے جان کیلئے استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلاً جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ (طه ٨٨)(پھر بنا نکالا ان کے واسطے ایک بچھڑا ایک دھڑ جس میں آواز گائے کی۔ پھر کہنے لگے یہ معبود ہے تمہارا اور معبود ہے موسیٰؑ کا سو وہ بھول گیا) اس میں بھی بت کیلئے جسد کا لفظ استعمال ہوا ہو کہ جسم بے جان تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ (ص ٣٤)

(اور ہم نے جانچا سلیمانؑ کو اور ڈال دیا اس کے تخت پر ایک دھڑ پھر وہ رجوع ہوا) اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے ارادہ کیا کہ میرے بہت سارے بیٹے ہوں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایک رات میں اپنی ستر بیویوں سے ہمبستری کی جن میں سے فقط ایک کے ہاں مردہ بچہ پیدا ہوا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ انشاء اللہ کہنا بھول گئے تھے۔ چنانچہ اس آیت میں بھی جسد کا لفظ جسم بے روح کیلئے استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْ كُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خَالِدِيْنَ (الانبیاء ۸)

(اور نہیں بنائے تھے ہم نے ان کے ایسے بدن کہ وہ کھانا نہ کھائے اور نہ تھے وہ ہمیشہ رہ جانے والے) اس آیت میں بھی بتایا گیا ہے کہ انبیائے کرامؑ کے جسم مبارک کو بے روح نہیں بنایا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جسم کا لفظ اس بدن کیلئے استعمال ہوا جس میں روح اور زندگی ہو جب کہ جسد کا لفظ ایسے جسم کیلئے استعمال ہوا جس میں روح نہ ہو۔

17 اَلذَّ نُوْبُ......وَ......الذُّنُوْبُ:

قرآن مجید میں یہ دو کلمتان متقاربتان بھی استعمال ہوئے ہیں۔ امام راغب اصفہانیؒ نے المفردات میں لکھا ہے کہ ذَنَبٌ سے مراد جانور کی دم اور ذَنوب سے مراد لمبی دم والا گھوڑا ہے۔ قرآ ن مجید میں ذَنوب ایک آیت میں دو مرتبہ استعمال ہوا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ

(الذاریات ۵۹) (سو ان گنہ گاروں کا بھی ڈول بھر چکا ہے جیسے ڈول بھرا ان کے ساتھیوں کا اب مجھ سے جلدی نہ کریں) اس آیت

سے معلوم ہوا کہ ظالمین کو بعد میں آنے والے تمام ظالمین کے ظلم کا بھی عذاب ہو گا چونکہ پچھلوں نے پہلوں کی اقتدا کی۔ پہلے والے بُرا نمونہ نے پیچھے والے اسی راستے پر چلے۔ پس ظالمین اپنے پیچھے دم چھوڑ جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی پکڑ ہو گی۔

اَلذُّنُوْبُ۔ کا لفظ ذَنب" کی جمع ہے یہ قرآن مجید میں چھبیس مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (الانفال ۵۲) (جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے کہ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے سو پکڑا ان کو اللہ نے ان کے گناہوں پر بے شک اللہ زور آور ہے سخت عذاب کرنے والا)

مندرجہ بالا دونوں آیات پر غور و خوض کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ذُنوب کا لفظ ذَنب" یعنی دم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے پس گنہگار انسان اشیاء کی دم پکڑتا ہے۔ مردود کام کرتا ہے۔

جبکہ ذُنوب کا لفظ ذَنب" کی جمع کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

18 شری.....و.....اشتری:

قرآن مجید میں یہ دونوں متقارب الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان کی اصل ایک ہے مگر معانی میں تضاد ہے۔

☆شری بمعنی باع:۔ اور شریٰ کا لفظ قرآن مجید میں چار مرتبہ آیا ہے اور ہر جگہ اس کا مطلب بیچنا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ م بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ

(یوسف ٢٠)

(اور بیچ آئے اس کو بھائی ناقص قیمت کو گنتی کی چونیاں اور ہو رہے تھے اس سے بیزار) یعنی رقم لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچا گیا۔

ارشادباری تعالیٰ ہے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (البقره ٢٠٧)

(اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے کہ بیچتا ہے اپنی جان کو اللہ رضاجوئی میں)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بدلے اپنی جان کو بیچ دیا۔

ارشادباری تعالیٰ ہے

فَلْيُقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ (النساء ٧٤)

(سو چاہیے لڑے اللہ کی راہ میں وہ لوگ جو بیچتے ہے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے)

پس مومنین آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی کا سودا کر دیتے ہیں۔

☆اشتری بمعنی اخذ: لفظ اشتریٰ اور اس کے اشتقاقات قرآن مجید میں اکیس مرتبہ استعمال ہوئے ہیں اور تمام مقامات پر اس کا معنی خریدنا ہے۔

ارشادباری تعالیٰ ہے

وَقَالَ الَّذِى اشْتَرٰهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖ اَكْرِمِىْ مَثْوٰهُ (یوسف ٢١)

[اور کہا جس شخص نے خرید کیا اس کو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے رکھ اس کو] یعنی جس شخص نے یوسف علیہ السلام کو بیچنے والوں سے خریدا۔

ارشادباری تعالیٰ ہے

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

(التوبہ-111)

(اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے)

اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کے جان ومال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا (آلعمران ۱۷۷)

(جنہوں نے مول لیا کفر کو ایمان کے بدلے وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ)

مندرجہ بالا تمام آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآنی اسلوب میں شرٰی کا لفظ بیچنے کیلئے استعمال ہوا ہے جبکہ اشترٰی کا لفظ خریدنے کیلئے استعمال ہوا ہے۔ چاہے رقم کے بدلے چیز خریدے یا کسی اور چیز کے بدلے میں خریدے۔

19 العمی .....و.....العمه:.

قرآن مجید میں العمی کا لفظ بینائی سے محروم لوگوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔

☆ العمی هُوَ فُقْدَانُ الْبَصَرِ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے

عَبَسَ وَ تَوَلّٰى اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰى (عبس ۱،۲)

(تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس بات سے کہ آیا اس کے پاس اندھا)

یہ آیت ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہؓ ابن ام مکتوم کے متعلق ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَاِنَّهَا لَاتَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (الحج ٤٦)

(سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں پر اندھے ہو جاتے ہیں دل جو سینوں میں ہیں)

☆ **العمه هو عمى القلب:**. قرآن مجید میں العمہ کا لفظ صیغہ فعل مضارع یعمھون کے طور پر سات مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ اس کا معنی دل کا اندھا ہونا ہے اس لئے جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہوا وہاں پر طغیان کا تذکرہ ضرور کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

☆ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (البقرہ : ۱۰)

[اور ترقی دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں، حالت یہ ہے کہ وہ عقل کے اندھے ہیں)

جب انسان کسی کام میں متردد اور متحیر ہوتا ہے تو اس کے دل، آنکھ اور دماغ پر پردہ سا آجاتا ہے۔ اسی کو ضلالت و گمراہی کہا گیا ہے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ اعمیٰ کا لفظ بصارت کے فقدان کیلئے بولا جاتا ہے جبکہ عمہ کا لفظ بصیرت کے فقدان کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جب انسان کسی کام میں متردد اور متحیر ہوتا ہے تو اس کے دل، آنکھ اور دماغ پر پردہ سا آجاتا ہے۔ اسی کو ضلالت و گمراہی کہا گیا ہے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ اعمیٰ کا لفظ بصارت کے فقدان کیلئے بولا جاتا ہے جبکہ عمہ کا لفظ بصیرت کے فقدان کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔

20 استأنس .... و ...استأذن

یہ دونوں الفاظ فعل ہیں دونوں کے معانی میں ایک لطیف فرق ہے

استأنس ...الانس النفسی لفظ آنس فعل ماضی ہے انیاس سے۔ ایک ہی موقع پر قرآن مجید میں تین جگہ استعمال ہوا ہے جب انہوں نے جبل طور پر آگ دیکھی تو فرمایا۔

قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْآ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ (القصص ۲۹)"

[کہا اپنے گھر والوں کو ٹھہرو میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تمھارے پاس وہاں کی کچھ خبر یا انگارہ آگ کا تاکہ تم تاپو]

یہاں پر اس لفظ کے معنی الانس " النفس الشعوری " کے ہیں انہیں معانی میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب کر دیا ہے کہ جب دوسروں کے گھروں میں داخل ہوں تو الا ستئنا س حاصل ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا (النور ۲۷)۔[اے ایمان والوں مت جایا کرو کسی گھر میں اپنے گھر وں کے سوائے جب تک بول چال نہ کر لو اور سلام کر لو ان گھر والوں پر]

☆ استأذن .....الا ذن المادی

ارشاد باری تعالیٰ ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

(نور ۵۸) "[اے ایمان والوں اجازت لے کر آئیں تم سے جو تمھارے ہاتھ کے مال ہیں]

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ۔ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور ۵۹)" [جب پہنچیں لڑکے تم میں کے عقل کی حد کو تو ان کو ویسی ہی اجازت لینی چاہیے جیسے لیتے رہے ہیں ان سے اگلے

ان آیات سے معلوم ہوا کہ استأنس اور استأذن کے الفاظ گھر میں استعمال ہوتے ہیں دونوں کے ہمزہ سین اور تا سے طلب کے معانی نکلتے ہیں دونوں میں دو وجہ سے فرق ہے

۱۔ استأنس کا مرحلہ استاذن سے پہلے آتا ہے جب ایک مسلمان اپنے گھر سے دوسرے کے

گھر میں جانے کے لئے نکلتا ہے تو اسے اپنے دل میں سوچنا چاہیے کہ یہ جانے کا مناسب وقت ہے بھی یہ نہیں فجر سے پہلے دوپہر کے وقت اور عشا کے بعد جانے سے منع فرمایا گیا ہے ایسا تو نہیں اس وقت کا جانا میزبان کے لئے مشکل کا سبب بن جائے جب دل گواہی دے کے اس وقت جانا میزبان کے لئے خوشی کا سبب ہوگا تو اس کو استانس کہتے ہیں پھر جب گھر کے دروازے ہر پہنچے تو اجازت طلب کریں اس کو استازن یا استیذان کہتے ہیں۔

۲۔ استانس مرحلہ غیر لوگوں کے لئے زیادہ پیش آتا ہے کہ وقت کی مناسبت کا خیال رکھیں جبکہ استیذان مرحلہ گھر کے افراد یا غلام نوکر وغیرہ کیلئے زیادہ پیش آتا ہے اگر مندرجہ بالا آیات کو غور سے پڑھا جائے تو معانی واضح ہو جاتے ہیں پس استانس دور سے آنے والے کیلئے ہے جب کہ استیذان دروازے پر کھڑے ہونے کے لئے ہے یا گھر کے افراد ایک دوسرے کے کمرے میں جانا چاہیں تو بھی استیذان کی ضرورت ہے سبحان اللہ دو الفاظ کو کتنے باریک اور لطیف فرق کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ جو اعجاز قرآنی کی عمدہ دلیل ہے

21 الفتية...و... الفتيان یہ دونوں الفاظ مفرد واحد فتی کی جمع ہیں تاہم قرآنی اسلوب کے لحاظ سے دونوں میں فرق ہے

الفتية: الشباب المؤمنون: قرآن مجید میں فتی کا لفظ حضرت یوشع بن نون کے لئے استعمال ہوا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاِذْقَالَ مُوْسٰى لِفَتٰهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ (الکہف ۶۰) [اور جب کہا موسیٰؑ اپنے جوان کو میں نہ ہٹوں گا جب تک پہنچ نہ جاؤں جہاں ملتے ہیں دو دریا]

دوسری جگہ ہی لفظ حضرت یوسف علیہ اسلام کیلئے استعمال ہوا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ. قَدْ شَغَفَهَا

حُبًّا (یوسف ۳۰)"[اور کہنے لگیں عورتیں اس شہر میں عزیز کی عورت خواہش کرتی ہے اپنے غلام سے اس کے جی کو فریفتہ ہو گیا اس کا دل اس کی محبت میں]

لفظ فتیة " قرآن مجید میں دو دفعہ اصحاب کہف کیلئے استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِذْاَوَی الْفِتْیَةُ اِلَی الْکَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً (الکہف ۱۳)"

[جب جا بیٹھے وہ جوان پہاڑ کے کھوہ میں پھر بولے اے رب دے ہم کو اپنے پاس سے بخشش]

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ نَبَاَ هُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ" اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًی (الکہف ۱۳)'[ہم سنا دے تجھ کو ان کا حال تحقیق وہ کئی جوان ہیں کہ یقین لائے اپنے رب پر اور زیادہ دی ہم نے ان کو سوجھ] مندرجہ بالا تینوں آیات سے ظاہر ہے کہ الفتیہ کا لفظ نو جوان مومنین کیلئے استعمال ہوا ہے

الفتیان.... الخدم

یہ لفظ قرآن مجید میں خادم کیلئے استعمال ہوا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَقَالَ لِفِتْیٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِیْ رِحَالِهِمْ (یوسف ۶۲)

[اور کہا دیا اپنے خدمت گاروں کو رکھ دو ان کی پونجی ان کے اسباب میں]

حضرت یوسفؑ کے ساتھ جیل میں بادشاہ کے دو ملازم تھے ان کے متعلق ارشاد ہے (ودخل معه السجن فتیان (یوسف ۳۶)[اور داخل ہوئے قید خانہ میں اس کے ساتھ دو جوان]

معلوم ہوا التقیۃ اور التقیان کے دو الفاظ مختلف معانی میں استعمال ہوئے ہیں

22 الأمن .....و..الامنة

دونوں الفاظ متقارب ہیں مگر معانی میں نہایت لطیف فرق ہے

☆ اَلْاَمْنُ :اَلطَّمَانِيَّةُ مَعَ زَوَالِ سَبَبِ الْخَوْفِ

قرآن مجید میں الامن کا لفظ پانچ مرتبہ استعمال ہوا ہے تمام جگہوں پر اس کے معانی ہیں کہ خوف زائل ہوا اور امن نصیب ہوا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَ مْنِ اِنْ كُنتُمْ تَعْلَمُوْنَ . اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَا نَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (الانعام : ۸۱)

[اب دونوں فرقوں میں کون مستحق ہے دل جمعی کا بولو اگر تم سمجھ رکھتے ہو جو لوگ یقین لے آئے اور نہیں ملا دیا انہوں نے اپنے یقین میں کوئی نقصان انہی کے واسطے ہے دل جمعی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر]

دوسری جگہ ارشاد ہے

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَ رْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (النور ۵۵)"

[وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں انہوں نے نیک کام البتہ پیچھے حاکم کر دے گا ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کا اور جما دے گا ان کے لئے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن]

اس آیت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ خوف کو امن سے تبدیل کر دیا جائیگا

☆ اَلْاَمَنَةُ : اَلطَّمَا نِيَةُمَعَ وُجُوْدِ سَبَبِ الْخَوْفِ

یہ لفظ قرآن مجید میں دو مرتبہ استعمال ہوا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اسباب کے خوف کے موجود ہونے کے باوجود دل میں امن واطمینان عطا کر دینا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِذْيُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (الانفال ۱۱)"

[جس وقت کہ ڈال دی اس نے تم پر اُونگھ اپنی طرف سے تسکین کے واسطے اور اتارا تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کرے اور دور کر دے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کر دے تمھارے دلوں کو اور جما دے اس سے تمھارے قدم]

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ

(آل عمران ۱۵۴)

[پھر تم پر اُتارا تنگی کے بعد امن کو جو اُونگھ تھی کہ ڈھانک لیا اس اُونگھ نے بعضوں کو تم میں سے]

پس غزوہ بدر اور احد میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کے دل میں امن واطمینان کی کیفیت ڈال دی تھی اگرچہ کفار سامنے موجود تھے۔ گویا سبب زائل نہیں ہوا تھا۔

معلوم ہوا کہ الامن اور الا منة کے دونوں الفاظ کے معانی میں بہت باریک فرق ہے۔

23 اَلسِّلْمُ ..... وَالسَّلْمُ... وَالسَّلَمُ

تینوں الفاظ اپنے حروف میں ایک جیسے ہیں مگر معانی میں فرق ہے

☆ السلم .. الا سلام

ارشاد باری تعالیٰ ہے

يَا يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ ا ادْخُلُوْ افِي السِّلْمِ كَا فَةً(بقر ۲۰۸)"

[اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے]

پس السلم کا لفظ اسلام کے معانی میں استعمال ہوا ہے

☆ اَلسَّلْمُ .... اَلمَيْلُ لِلْاِ سْتِسْلَامِ

یہ لفظ قرآن مجید میں ایک ہی سیاق میں دو مرتبہ استعمال ہوا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاِنْ جَنَحُوْ اِللسَّلْمِ فَا جْنَحْ لَهَا وَتَو كَّلْ عَلَى اللّٰهِ (الانفال ٦١)"

[اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو بھی جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر]

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَلاَ تَهِنُوْا وَتَدْ عُوْٓااِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَ عْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَ كُمْ اَعْمَا لَكُمْ(محمد ۳۵)"

[سو تم بودے نہ ہو جاؤ اور لگو پکارنے صلح اور تم ہی رہو گے غالب اور اللہ تمھارے ساتھ ہے اور نہ نقصان دے گا تم کو تمھارے کاموں میں]

دونوں آیات میں اس کے معنی استسلام اور خضوع کے ہیں۔

☆ السلم ... الا ستسلام الذلیل :

قرآن مجید میں یہ لفظ پانچ مرتبہ کفار کے استسلام کے لئے استعمال ہوا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقٰتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلاً (النساء ۹۰)"

[سو اگر یکسو رہیں وہ تم سے پھر نہ لڑیں اور پیش کریں تم پر صلح تو اللہ نے نہیں دی تم کو ان پر راہ]

دوسری جگہ ارشاد ہے

فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ (النساء ۹۱)"

[پھر اگر وہ تم سے یکسو نہ رہیں اور نہ پیش کریں تم پر صلح]

ایک جگہ ارشاد فرمایا

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ نِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (النحل ۸۷)"

[اور آپڑیں اللہ کے آگے اس دن عاجز ہو کر اور بھول جائیں جو جھوٹ باندھتے تھے]

معلوم ہوا کہ السِلْم کا لفظ اسلام کے معنی میں استعمال ہوا السَّلْم کا لفظ قتال و حرب کے ترک کرنے کیلئے استعمال ہوا اور السَّلَم کا لفظ کفار کی ذلت کیلئے استعمال ہوا۔

24 ریح ....و.... الریاح

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ہوا کی آٹھ قسمیں ہوتی ہیں جن میں سے چار رحمت ہیں اور چار عذاب ہیں ۔ وہ ہوائیں جو رحمت ہیں ان کے نام مبشرات ،مرسلات ،ذاریات،ناشرات ہیں،جو ہوائیں عذاب ہیں ان میں سے دو صرصر اور عقیم زمین پر چلتی ہیں۔ جبکہ عاصف اور قاصف سمندر میں چلتی ہیں۔ قرآن مجید نے اس فرق کو بڑی آسانی کے ساتھ اس طرح سمیٹا ہے کہ ریح کا لفظ عذاب کے لئے اور ریاح کا لفظ رحمت کے لئے استعمال کیا ۔چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱۔وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ (الذریات :۴۱)

[اور قوم عاد میں نشانی ہے جب ہم نے ان پر ہوا بھیجی خیر سے خالی]

۲۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا (القمر: ۱۹)

[ہم نے ان پر تند ہوا بھیجی]

۳۔ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا م بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ (الاعراف: ۵۷)

[وہ ہے جو لاتا ہے ہوائیں خوشخبری دینے کو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے]

۴۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ (الروم: ۴۶)

[اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ لاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والی]

25 مطر ..و.. امطار

قرآن مجید میں مطر اور امطار کا لفظ ہمیشہ عذاب کے لئے استعمال ہوا ہے چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ (الشعراء: ۱۷۳)

[اور ہم نے ان پر مینہ برسایا تو کتنا برا ہے مینہ ڈرائے ہوؤں کا]

۲۔ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ (الفرقان: ۴۰)

[اور یہ لوگ ہو آتے اس بستی پر جس پر برسایا گیا برا مینہ]

۳۔ هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ

رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (الاحقاف: ۲۴)

[یہ بادل ہم پر مینہ برسائے گا بلکہ یہ وہ ہے جس کو تم نے جلدی مانگا۔

ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے]

مطر کے بالمقابل غیث کا لفظ ہے غیث اس بارش کو کہتے ہیں جو ضرورت کے وقت نازل ہو جیسے

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَه' (الشوری: ۲۸)

[وہی ہے جو اتارتا ہے بارش بعد اس کے کہ لوگ ناامید ہو چلے اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت]

26 تذکیر و تانیث کے نکات:

عرب حضرات اپنی گفتگو میں بعض الفاظ کے معانی کو سامنے رکھتے ہوئے تذکیر و تانیث کے ظاہری قواعد کو نظر انداز کر دیتے تھے مثلاً ثلاثة انفس کہنا۔ حالانکہ نفس مؤنث ہے قیاس کا تقاضا ہے ثلاث انفس کہیں مگر یہاں متکلم کی مراد انسان ہے اس لئے ثلاثة رجال کی طرح مذکر کا صیغہ استعمال کیا۔ قرآن مجید میں اسکی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

ا۔ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ○ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا (الفرقان: ۱۱)

[ہم نے تیار کی ہے آگ اس کے واسطے جو جھٹلاتا ہے قیامت کو۔ جب دور کی جگہ سے ان کو دیکھے گی تو سنیں گے اس کا جھنجھلانا اور چلانا]

سعیر مذکر ہے مگر اس کے معنی النار کو سامنے رکھا گیا اور رأت مؤنث کا صیغہ لایا گیا۔

۲۔ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا (ق: ۱۱) [اور ہم نے اس کے ساتھ ایک مردہ شہر زندہ کیا]

ظاہراً یہاں میتة آنا چاہئے تھا کیونکہ بلدة مؤنث ہے مگر اسکو مکان پر محمول کر کے مذکر کا صیغہ استعمال ہوا۔

۳۔ اَلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ. ظاہراً السماء مؤنث ہے مگر صیغہ مذکر کا اس لئے استعمال کیا گیا کہ اس کو سقف یعنی چھت پر محمول کیا یا اسلئے کہ یہاں اسم فاعل نسبت کیلئے ہے۔

٤. **السبیل**: قرآن مجید میں اس لفظ کو مذکر و مؤنث دونوں طرح لایا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ

ہے

☆ وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا (الاعراف : ۱۴۶) [اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو راستہ نہیں بناتے] اس میں سبیل کو مذکر لایا گیا دوسری جگہ فرمایا۔

☆ قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ

(یوسف : ۱۰۸)

[کہہ دیجئے یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے] اس آیت میں سبیل کو مؤنث لایا گیا ہے۔

۵. الطاغوت : ارشاد باری تعالیٰ ہے

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِهٖ

(النساء : ۶۰) [چاہتے ہیں کہ مقدمہ لے جائیں شیطان کی طرف حالانکہ انہیں حکم دیا گیا کہ اس کو نہ مانیں] اس میں مذکر کا صیغہ ہے۔ جبکہ دوسری آیت میں یہی لفظ مؤنث کے صیغے میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَی اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰی

(الزمر : ۱۷) [اور جو لوگ بچے شیطان سے کہ عبادت کریں ان کی اور رجوع کیا انہوں نے اللہ کی طرف ان کیلئے خوشخبری ہے]

27 کنایہ کے بارے میں :

بعض اوقات متکلم کو ایسی بات کرنی پڑتی ہے کہ اگر صاف الفاظ میں بیان کر دی جائے تو اسکا ذکر قبیح سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسے مواقع پر کنایہ میں بات کی جاتی ہے تاکہ الفاظ کا حسن بھی واضح ہو اور مقصد بھی پورا ہو جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

۱۔ وَقَدْ اَفْضٰی بَعْضُکُمْ اِلٰی بَعْضٍ (النساء :۲۱)

[اور تحقیق پہنچ چکے تم میں سے بعض بعض تک]

۲۔ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا (الاعراف :۱۸۹)[پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانپ لیا] اس میں جماع کی طرف اشارہ ہے مگر بات کا انداز کتنا مہذب ہے۔ یورپ میں اس وقت بے حیائی اپنے عروج پر ہے۔ وہاں مرد و عورت کا کھڑے ہو کر جماع کرنا معمول کی بات ہے مگر قرآن مجید نے ڈھانپنے کا لفظ استعمال کر کے ایسی صورتحال کی طرف اشارہ کر دیا کہ جس میں آسانی بھی ہے اور فقط ایک چادر کے استعمال سے مرد و عورت خلوت کے لمحات میں بھی اپنے آپ کو گرد و پیش سے پردے میں رکھ سکتے ہیں۔

۳۔ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ (البقرۃ : ۲۲۳)[آؤ اپنی کھیتی میں جیسے چاہو] میاں بیوی کے ملاپ کے لیئے کتنا اچھا انداز بیان ہے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ میاں بیوی کے ملاپ کا مقصد فقط لطف اندوز ہونا ہی نہیں بلکہ اولاد صالحہ کے حصول کی نیت کرنا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ کھیتی میں فصل کاشت کرنے کے بعد کاٹی بھی جاتی ہے۔

۴۔ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ (النساء : ۴۳)[یا چھوا تم نے عورتوں کو] مقصد یہ ہے کہ تم میں سے کوئی عورت سے ہمبستری کرے۔ پوشیدہ باتوں کو اشارے کنائے میں بیان کرنا مہذب اور شائستہ انسانوں کا طریقہ ہوتا ہے۔ مزید برآں سننے والے کی طبیعت میں بھی ہیجان پیدا نہیں ہوتا۔ اسکی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ اگر کسی شخص کا والد آرہا ہو اور اس شخص کو بتایا جائے کہ آپ کے والد گرامی آرہے ہیں تو وہ خوش ہو گا اور اگر یہ کہہ دیا جائے کہ تمہاری ماں کا یار آرہا ہے تو وہی شخص غصے میں آکر مرنے مارنے کیلئے تیار ہو جائے گا۔ قرآن مجید کا اعجاز دیکھئے کہ مسئلہ بھی واضح کر دیا اور گفتگو کا سلیقہ بھی سمجھا دیا۔

۵۔وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ [اور کہیں گے وہ اپنی کھالوں سے](فصلت :۲۱)

کنایہ ہے لفروجھم یہاں شرمگاہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے

۶۔هُنَّ لِبَاس'' لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاس'' لَّهُنَّ(البقرۃ :۱۸۷)[وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو] میاں بیوی کے تعلق کو اس سے بہتر الفاظ میں بیان کرنا ممکن ہی نہیں، اتنی خوب صورت بات کہی گئی کہ جس کا جواب ہی نہیں، لباس سے تشبیہ دینے میں دو حکمتیں نظر آتی ہیں، ایک تو یہ کہ لباس انسان کے تمام عیوب کو چھپاتا ہے اور اسکی شخصیت کو وقار بخشتا ہے۔اسی طرح میاں بیوی کے عیوب بھی ایک دوسرے کی وجہ سے چھپتے ہیں اور معاشرے میں انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، دوسرا یہ کہ انسان کے جسم کے سب سے زیادہ قریب اس کا لباس ہوتا ہے۔اس میں اشارہ ہے کہ ایسا قرب کسی دوسرے کو نہیں مل سکتا۔جو میاں بیوی کو آپس میں نصیب ہوتا ہے۔

پھر دیکھئے مرد وزن کے تعلقات کے لئے مختلف، کنایات کو استعمال کیا مگر جب اس سے نفرت دلانی تھی تو ایسا صریح انداز استعمال کیا کہ جس کو سن کر طبیعت سلیمہ اس سے متنفر ہو جائے۔ فرمایا۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا۔(بنی اسرائیل :۳۲)

[اور تم جاؤ قریب زنا کے بے شک وہ بے حیائی ہے اور برا ہے راستہ] دوسری جگہ فرمایا

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ. (النور :۲)[زناکار عورت اور زناکار مرد کو مارو تم ہر ایک کو سو سو درے اور نہ پکڑے تم کو ان کے ساتھ شفقت اللہ کے دین کے معاملے میں]

28 صوتی اثرات :

قرآن مجید میں ایک انتہائی حیران کن خوبی یہ ہے کہ بات کرتے ہوئے ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ ان کی آواز سے ہی معانی کا اندازہ ہو جاتا ہے چند مثالیں درج ذیل ہیں ۔

۱۔ارشاد باری تعالیٰ ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا مَالَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ (التوبہ :۳۸)

[اے ایمان والو تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کوچ کرو اللہ کی راہ میں گرے جاتے ہو زمین میں]اس آیت میں اثاقلتم الی الارض کے الفاظ پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی چیز زمین کے ساتھ چپکی جا رہی ہو یا ڈھیر ہو رہی ہو ۔

۲۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا (الطور : ۱۳)

[جس دن کہ دھکیلا جائے گا ان کو دوزخ کی طرف دھکے دے دے کر اس آیت کو پڑھتے ہوئے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ کسی مجرم کو دھکے مار مار کے جہنم میں ڈالا جا رہا ہے۔

۳۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ (الانفال : ۶)[گویا کہ ہانکے جاتے ہیں موت کی طرف]اس آیت کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کسی کو گھسیٹ کر موت کے منہ میں ڈالا جا رہا ہو

29 ربط آیات :

امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں ربط آیات پر بہت اچھا کام کیا ہے فرماتے ہیں کہ "

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ (الحجر :۴۹، ۵۰)[خبر دے میرے بندوں کو کہ میں ہی ہوں بخشنے والا مہربان اور میرا عذاب ہی

ہے عذاب دردناک ا کے بعد وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرَاهِيمَ (الحجر :۵۱) کا تذکرہ ہے اس میں انا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْم کا مظاہرہ ہے جبکہ اس کے بعد لوط علیہ السلام کی قوم کا تذکرہ ہے اس میں اَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْم کا مظاہرہ ہے وہ فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس رحمت بن کر آئے اور بیٹے کی خوشخبری دے گئے۔ پھر حضرت لوط کے پاس گئے تو قوم پر خدا کا عذاب لائے۔

مختلف تفاسیر میں ربط آیات کے تحت مفسرین نے عجیب و غریب معارف بیان کئے ہیں یہاں پر نمونے کے طور پر ایک آیت پر اکتفا کیا گیا ہے۔

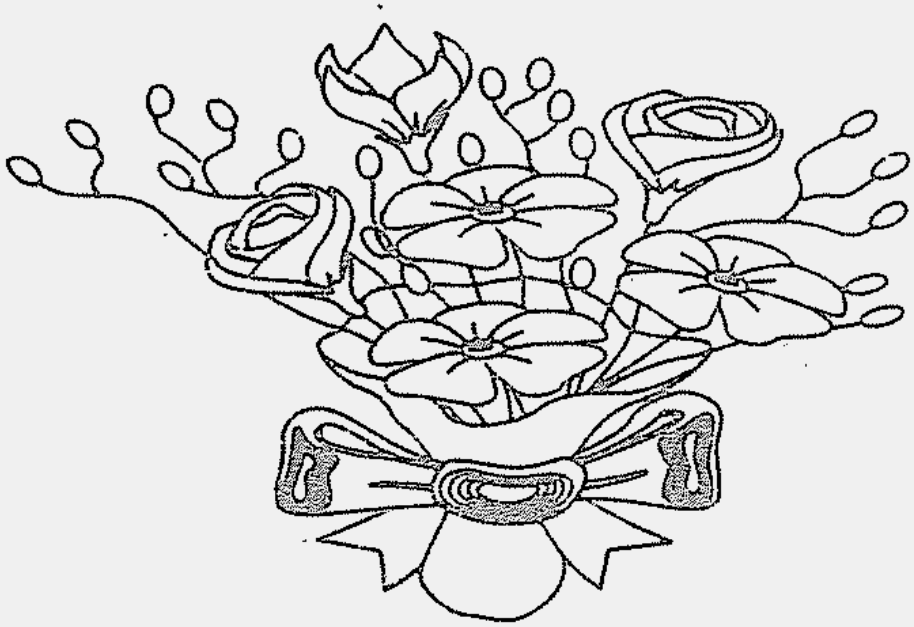

باب نمبر 4

فصاحت وبلاغت

فصاحت کی تعریف وتشریح :

فصاحت کا لفظی معنی ظاہر ہونا یا روشن ہو جانا ہے چنانچہ بچہ بولنے لگے تو اہل عرب کہتے ہیں "افصح الصبی فی منطقه" (بچہ بولنے لگا یعنی بچے سے کلام ظاہر ہوا)۔ اسی طرح صبح کی روشنی پھیل جائے تو کہتے ہیں "افصح الصبح" (صبح روشن ہو گئی)۔ اہل علم کی اصطلاح میں فصیح ایسے کلام کو کہتے ہیں کہ جس میں الفاظ سادہ، مانوس اور دل پسند ہوں۔ فصاحت کا تعلق ہر لفظ اور ہر فقرے سے ہوتا ہے لہذا دونوں کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

الفاظ کی فصاحت :

علمائے کرام نے اپنے متواتر تجربات کی بنا پر جس کلام کو مرغوب طبع پایا اس کے اسباب پر غور وخوض کر کے چند اصول مقرر کر دیئے کہ جس کلام میں یہ اصول زیادہ پائے جائیں گے وہ کلام اپنے محاسن کی وجہ سے بلند پایہ ہوگا۔ اور اگر ان خوبیوں کو نظر انداز کیا جائے گا تو کلام کی شان وشوکت جاتی رہے گی۔ چنانچہ الفاظ کی فصاحت کے اصول درج ذیل ہیں۔

۱۔ اس کے حروف باہم متنافر نہ ہوں یعنی ثقیل نہ ہوں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب ایک لفظ کے حروف ہم جنس یا ہم مخرج ہوتے ہیں۔ اس سے لفظ کی ادائیگی میں مشکل پیش آتی ہے مثلاً "هعخع"

۲۔ لفظ غیر مانوس نہ ہو۔ یعنی کم استعمال ہوتا ہو یا استعمال ہوتا ہی نہ ہو یا جن معنوں میں استعمال کیا

گیا ہے وہ عام نہ ہوں جیسے "افرنقعوا"

۳۔ خلاف قیاس نہ ہو۔ یعنی اصول و قواعد سے گرا ہوا نہ ہو مثلاً لفظ "اجَل" ہمیشہ حالت ادغام بولا جاتا ہے مگر ابی نعیم نے اپنے ایک شعر میں "اجَل" کی بجائے اجلل باندھا ہے جو غیر فصیح ہے

۴۔ ناخوشگوار نہ ہو یعنی سننے سے طبیعت میں کراہت پیدا نہ ہو۔

فقرات کی فصاحت :

فقرات میں فصاحت کے اصول درج ذیل ہیں :

۱۔ جملہ کے الفاظ باہم متنافر نہ ہوں۔ مثلاً بعض الفاظ جدا جدا فصیح ہوتے ہیں مگر ان کی ترکیب غیر فصیح ہوتی ہے جسے لیس قرب قبرِ حرب قبر (قبر حرب کے قریب کوئی قبر نہیں)

۲۔ الفاظ کی ترکیب قوائد نحویہ کے خلاف نہ ہو مثلاً ضَرَبَ غلامه زیدًا" میں اضمار قبل الذکر قوائد نحویہ کے خلاف ہے۔

۳۔ تعقید نہ ہو یعنی مفہوم سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

۴۔ الفاظ کی کثرت تکرار نہ ہو۔

۵۔ بہت سی اضافتیں مسلسل کلام میں نہ ہوں جیسے ابن بابک کا شعر ہے۔

حَمَامَةُ جَرْعَا حَوْمَةِ الْجَنْدِلِ اسْجَعِیْ

فَاَنْتَ بِمَرْاَیٍ مِنْ سُعَادٍ وَّمَسْمَعٖ

(اپنی کہتا ہے کہ اے حومۃ الجندل کی پتھریلی زمین کی کبوتری۔ سعاد تجھے دیکھتا اور تیری آواز سنتا ہے

قرآن مجید کی فصاحت :

مندرجہ بالا نکات کی روشنی میں ہم قرآن مجید کی فصاحت کا بخوبی اندازہ لگا لیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

الحمد الله رب العالمینo الرحمٰن الرحیمo ملٰك یوم الدینo ایاك نعبد وایا ك نستعینo اھدناالصراط المستقیمo صراط الذین انعمت علیھم غیرالمغضوب علیھم ولاالضالینo

ان آیات میں کوئی لفظ ثقیل۔ غیر مستعمل اور غیر مانوس نہیں کوئی جوڑ بے ڈھنگا نہیں۔ کثرت اضافات سے خالی ہے۔ کوئی تکرار بے معنی نہیں۔ کوئی لفظ یا فقرہ نحوی وصرفی قاعدے سے گراہوا نہیں۔ الفاظ سے معانی کے سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ فقرات پُر تاثیر۔ سامع نواز اور دل پسند ہیں۔ گویا پوری سورت فصاحت قرآن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

بلاغت کی تعریف وتشریح :

بلاغت کے لفظی معنی پہنچنے کے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی اپنی مراد کو پہنچ جائے تو کہتے ہیں کہ بلغ فلان مرادہ (وہ شخص اپنی مراد کو پہنچ گیا) اہل عرب کہتے ہیں بلغ الرکبۃ المدینۃ (سوار شہر میں پہنچ گئے) بلاغت کلام کا مطلب ہے کہ جو کلام کانوں میں رس گھولے اور دل کو متاثر کرے۔ اکبر الہ آبادی نے فصاحت وبلاغت کو بڑی سادگی سے ایک شعر کے ذریعے سمجھادیا ہے۔

سمجھ میں صاف آجائے فصاحت اس کو کہتے ہیں
اثر ہو سننے والے پر بلاغت اس کو کہتے ہیں

یہ بات ذہن نشین رہے کہ جب بھی کوئی بات موقع محل کے مناسب ہوگی اس میں بلاغت ہوگی۔ سورۃ فاتحہ کی مثال پر غور کیجئے ۔ دنیا کی کوئی کتاب تعارفی خطبے سے خالی نہیں ہوتی پس سورۃ فاتحہ تمہیدی خطبے کی مانند ہے اسی لئے اس کا نام بھی فاتحہ ہے پھر ہر کام کی ابتد حمد وثنا سے ہونا شعائر اسلام میں سے ہے اسی طرح ہر کام کے اختتام پر دعا کا ہونا بھی مستحسن ہوتا ہے سورہ فاتحہ میں یہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ سورۃ کی ابتدائی آیات پر غور کیجئے۔ آغاز کتاب میں کتاب کے مطالعہ کے فوائد بتادینا حسن کلام کی دلیل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں پہلے توذٰلك کا

لفظ استعمال کیا گیا۔ اس مقام پر اشارہ بعید لانے میں حکمت یہ تھی کہ یہ وہی کتاب ہے جسکا تذکرہ تو رات و انجیل میں کر دیا گیا تھا۔ پھر لا ریب فیہ کے الفاظ سے سمجھا دیا کہ اس کتاب سے فائدہ اٹھانے کی شرط یہ ہے کہ دل میں شک نہ ہو۔ ھدی للمتقین کے الفاظ سے وضاحت کر دی کہ کون لوگ اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ آغاز کتاب میں ہی بلاغت کی شان نمایاں ہے اور یہی حال تمام قرآن مجید کا ہے۔

مقام و حال کی مناسبت :

بلاغت کلامی کی سب سے بڑی نشانی موقع و حال کی مناسبت ہے۔ قرآن مجید کی ایک آیت پر غور کرنے سے عجیب معارف کھلتے ہیں۔

پہلی مثال :

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے پوچھا کہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے تو حضرت موسیٰؑ نے جواب میں کہا "قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ"

(طٰہٰ ع ۱) [یہ میرا عصا ہے جس سے میں ٹیک لگاتا ہوں اسی سے اپنی بکریوں کیلئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے بڑے فائدے ہیں]

یہاں بادی النظر میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ سوال کے جواب کیلئے ھی عصای کہنا کافی تھا پھر سلسلہ کلام کو طول کیوں دیا گیا؟ حکمت اسکی یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو پروردگار عالم سے ہم کلامی کا شرف نصیب ہوا لہذا مقتضائے حال یہی تھا کہ لذت کلامی کیلئے جواب تفصیل سے دیا جاتا۔ مگر اس علیم و خبیر ذات کے سامنے طول کلامی کا حد مناسب سے بڑھنا بھی بے ادبی میں داخل تھا لہذا "وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ" کہہ کر بات کو سمیٹ دیا گیا۔ اس کے بر خلاف جب

حضرت موسیٰؑ سے فرعون نے سوال کیا کہ "فَمَنْ رَّبُّكُمَا يَا مُوْسٰى" [اے موسیٰؑ آپ بتائیں کہ آپ دونوں کا رب کون ہے؟]

آپ نے جواب میں فرمایا

"رَبُّنَا الَّذِيْ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى" (طٰہٰ ع ۲)

[ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر رہنمائی بخشی]

یہاں حضرت موسیٰؑ نے دشمن خدا کو ایسا مختصر اور جامع جواب دیا کہ آگے بات کی گنجائش ہی نہ رہی ۔حالانکہ فرعون کے سوال کا انداز بتاتا ہے کہ وہ تفصیلی جواب سننا چاہتا تھا۔اسی لئے اس نے صفات باری تعالیٰ کے متعلق پوچھا تھا۔حضرت موسیٰؑ جانتے تھے کہ فرعون کو اللہ تعالیٰ کی پہچان ہے مگر تکبر اور غرور نفس کی وجہ سے انکاری ہے لہذا آپ نے اس جاہل و کافر کے ساتھ طویل گفتگو کی کراہت کو سامنے رکھ کر مختصر جواب دیا۔ حسن کلام کا اندازہ لگایئے کہ ایسا شافی جواب دیا جس میں ذات و صفات کا کوئی پہلو نظر انداز نہ ہوا۔ مقصد کلام یہ تھا کہ قادر مطلق نے بغیر کسی نمونہ سابقہ کے محض اپنی قدرت سے مخلوق کو پیدا کیا اور مقررہ نظام کے مطابق زندگی گزارنے کی ہدایت کی۔اتنے مختصر الفاظ میں اتنے طویل مضمون کو سمیٹ دینا بلاغت قرآن کی لاجواب مثال ہے علمائے بلاغت نے لکھا ہے۔ "فَحَقُّ الْكَلَامِ اَنْ يَّكُوْنَ بِقَدْرِ الْحَاجَةِ لَا زَائِدًا وَ نَاقِصًا عَنْهَا" (جواہر البلاغہ ص ۳۸)

[کلام کا بقدر حاجت ہونا ضروری ہے۔نہ تو ضرورت سے کم ہونا چاہیے نہ زیادہ]

دوسری مثال :

سوال پوچھنے والوں کی تین قسمیں ہوتی ہیں :

ا۔سب سے پہلی قسم یہ ہے کہ سائل خالی الذہن ہو ایسی صورت کو ابتدائی کہتے ہیں اور ایسے سائل کو بڑی تحمل مزاجی سے بات سمجھا دی جاتی ہے۔اس کی مثال سورہ الاخلاص میں ہے کہ مشرکین

کے سوال پر آپ اپنے رب کا وصف اور حسب ونسب بیان کیجئے۔ قرآن مجید نے جواب دیا "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ" ۝

"(اخلاص) [آپ فرما دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ اس کی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ نہ کوئی اس کے برابر کا ہے]

اس سورت میں کوئی لفظ تاکید کا نہیں فقط بات سمجھادی گئی ہے۔

۲۔ دوسری قسم یہ کہ سائل متردد ہو۔ ایسی صورت کو طلبی کہتے ہیں۔ جیسے اہل کتاب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں متردد تھے۔ اس صورت حال میں جواب زوردار ہونا چاہئے تاکہ شک زائل ہو جائے۔ قرآن مجید نے جواب دیا

"اِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ" وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ "(عنکبوت ع ۵)

[ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کی اطاعت کرتے ہیں]

۳۔ تیسری قسم یہ ہے کہ سائل جان بوجھ کر حقیقت سے انکاری ہو اپنی ضد پر ڈٹا ہوا ہو ایسی صورت حال میں کھری کھری بات سنا دینا ہی بلاغت کلام کی دلیل ہوتی ہے۔ چنانچہ جب ابن کعب اور بحری بن عمر جیسے مشرکین مکہ نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپکے نزدیک اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے ہی نہیں تو قرآن مجید نے جواب دیا "قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ" وَّاحِدٌ" وَّاِنَّنِيْ بَرِيْءٌ" مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ "(الانعام: ۱۹) [آپ کہہ دیجئے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں] اس کلام موکدہ کے ذریعے ایسا منہ توڑ جواب دیا کہ سائل کو آگے بات کرنے کی جرات ہی نہ ہو سکے۔ یہ بلاغت قرآن کی زندہ جاوید مثال ہے جس پر اہل علم و ادب کی عقلیں حیران ہیں۔

تیسری مثال: جب حضرت شمعونؑ اور یحییٰؑ پہلی دفعہ انطاکیہ تشریف لے گئے تو انہیں پیغام

حق اس طرح پہنچایا"اِنَّآ اِلَیْکُمْ مُّرْسَلُوْنَ "(یٰسین ع۲)[بے شک ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں]جب کفار نے دوسری مرتبہ تکذیب کی تو تیسری دفعہ کے جواب نے تاکید کا حق ادا کر دیا فرمایا"رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّا اِلَیْکُمْ لَمُرْسَلُوْنَ "[اللہ جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں]اس آیت میں چار تاکیدیں اکٹھی کر کے دلوں میں دھاک بٹھادی۔

بلاغت کی اقسام : قاضی ابوبکر باقلانیؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء ادب نے بلاغت کی دس قسمیں بتائی ہیں۔

۱۔ایجاز ۲۔ تشبیہ ۳۔استعارہ ۴۔ تلاؤم ۵۔ فواصل ۶۔ تجانس ۷۔ تصریف ۸۔ تضمین ۹۔مبالغہ ۱۰۔ حسن البیان (اعجاز القرآن مع الاتقان ج۲ ص ۲۰۲)

اب ان سب کی تفصیل پیش کی جاتی ہیں۔

۱ ایجاز :

اہل بلاغت کے نزدیک اظہار خیال کے تین طریقے ہیں۔ مساوات ،ایجاز اور اطناب۔ اگر کلام ایسی عبارت میں پیش کیا جائے کہ نہ کم ہو نہ زیادہ بس بقدر ضرورت ہو تو اسے مساوات کہتے ہیں اگر طویل مضمون کو مختصر الفاظ میں بیان کیا جائے تو اسے ایجاز کہتے ہیں اگر مضمون کو نہایت مفصل طریقے سے بیان کیا جائے تو اسے اطناب کہتے ہیں قرآن مجید میں مساوات کی مثال درج ذیل آیت ہے۔"وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ"(جو نیکیاں تم اپنے نفس کیلئے جمع کرو گے اسے اللہ کے پاس پاؤ گے)اس بیان میں الفاظ نہایت جچے تلے ہیں نہ کم ہیں نہ زیادہ بلکہ پورے پورے ہیں۔ جبکہ دوسری جگہ اسی مضمون کو تین الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

لکم ما کسبتم (البقرہ:۱۶)جو نیک کام تم نے کمائے وہ تمہیں مل جائیں گے) یہ ایجاز کی

بہترین مثال ہے۔ اطناب کی دو مثالیں بیان کی جاتی ہیں حضرت زکریا نے اپنے بڑھاپے کا تذکرہ درج ذیل الفاظ میں کیا

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا (اے پروردگار میری ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں اور بڑھاپے کی وجہ سے سر سفید ہو گیا) یہاں اطناب کو اختیار کرنے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ حضرت زکریا اپنی عاجزی اور لاچاری کا اظہار کرتے اپنی دیرینہ تمنا کو پورا کروانا چاہتے تھے لہذا بارگاہ الٰہی میں فریاد پیش کرنے کا حق ادا کر دیا۔ قرآن مجید میں حضرت نوح کی دعا کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے "رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ" (نوح ع ۲)[اے اللہ میری مغفرت کر اور میرے والدین کی مغفرت کر اور جو مسلمان میرے گھر میں داخل ہو اور تمام ایمان والے مرد اور عورتوں کی مغفرت فرما] یہاں خاص کے بعد عام کا تذکرہ کرنے سے اطناب کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے ۔چونکہ مدعائے متکلم دعا کرنا تھی اور سب جانتے ہیں کہ دعا محل اطناب ہوا کرتی ہے۔

ایجاز کی قسمیں : ایجاز کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ عبارت میں سے کچھ حذف نہ کیا گیا ہو بلکہ کلام فی نفسہ نہایت مختصر اور معنی کے لحاظ سے وسیع اور مکمل ہو جیسے آیت کریمہ ہے "خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ "(اعراف :۱۹۹)[چشم پوشی کرو۔ نیکیوں کی تعلیم دو اور جاہلوں سے کنارہ کشی کرو] سبحان اللہ تین چھوٹے چھوٹے جملوں میں اخلاقیات کا نچوڑ پیش کر کے اہل علم کے دلوں کو موہ لیا گیا۔ دنیا میں تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں نیکوکار، خطار کار اور گنہگار۔ اس آیت میں تینوں اقسام کے انسانوں سے حسن معاملت کا درس دیا گیا ہے بتایا گیا کہ جو لوگ نیکوکار ہوں ان کی عیب جوئی میں نہ پڑو۔ سفید چادر پر چھوٹا سا دھبہ نمایاں ہو جاتا ہے لہذا دوربین لے کر دیکھو گے تو ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خامی نظر آجائے گی۔ آخر گلشن کا کاروبار

بھی انہی نیک لوگوں نے چلانا ہے جب پروردگار عالم ان کے استغفار پر ان کی کوتاہیوں کو معاف کر دیتا ہے تو تمہیں بھی ان کی خطاو سہو سے چشم پوشی کر لینی چاہیے اور ان کیلئے دعائیں کرنی چاہیں۔ جو لوگ خطاکار ہوں ان کو محبت و پیار سے سمجھانا چاہیے تاکہ اصلاح ہو سکے اور جو لوگ جاہل ہوں کہ گناہ بھی علانیہ کریں اور سمجھانے سے نہ سمجھیں ان سے ایک طرف رہنا ہی اعلیٰ اخلاق کی دلیل ہے۔ جاہلوں سے الجھنا عقلمندوں کا کام نہیں ہوتا۔ ان آیات کے ایجاز پر انسان قربان جائے کہ کتنے مختصر الفاظ میں کتنے وسیع مضمون کو سمیٹ دیا۔

ایجاز کی دوسری قسم یہ ہے کہ عبادت میں کوئی حرف یا کلمہ یا کچھ کلمے حذف کر دیئے گے ہوں مدعائے کلام میں بھی نقص واقع نہ ہو۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"جَاهِدُوْا فِيْ اللّٰهِ" [اللہ کے راستے میں جہاد کرو] یہاں پر فی سبیل اللہ کی بجائے فی اللہ کا لفظ استعمال کر کے بات پہنچا دی۔

"اِتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰه" [میری پیروی کرو تو اللہ کے محبوب ہو جاؤ گے] اس آیت میں تقدیر کلام یوں تھی کہ "اتبعونی [فان تتبعونی] یحببکم اللہ" مگر جملہ شرط کو محذوف کر دیا گیا۔ قرآن مجید سے ایجاز کی چند اور مثالیں پیش کی جاتی ہیں

o اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ oيُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا

"(یوسف: ٤٥. ٤٦) [میں اس خواب کی تعبیر تمہیں بتلاؤں گا ذرا مجھے جانے دو۔ اے یوسفؑ سچے ہمیں بتلایئے] اس میں تقدیر کلام یوں تھی کہ میں اس خواب کی تعبیر تمہیں بتلاؤں گا ذرا مجھے جانے دو (میں یوسفؑ سے ابھی پوچھ کے آتا ہوں۔ انہوں نے کہا جاؤ۔ وہ یوسفؑ کے پاس آیا اور ان سے کہنے لگا) اے یوسفؑ سچے ہمیں بتا (اس خواب کی تعبیر)

ایک فقرے میں اتنی بڑی عبادت کے حذف کے باوجود مقصد سمجھا دینا یہ قرآن مجید ہی کی شان ہے۔

o "اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ" [یعنی تمہاری شرارتوں کا وبال بالآخر تم پر ہی پڑے گا] اگر چند روز شرارتوں سے دنیا کا کچھ نفع حاصل کر بھی لیا تو کیا ہوا آخر خدا کے پاس جا کر سب اعمال نظر آجائیں گے اور اپنی کئے کی پوری سزا ملے گی۔

o "وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ" (فاطر: ۴۲) [اور نہ گھیرے گی بری تعبیر مگر اپنے ہی آدمیوں کو] یہود نے باوجود جاننے کے اسلام کو مٹانے کیلئے طرح طرح کی تدبیریں شروع کر دی تمہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا داؤ ان پر الٹا پڑے گا۔ چند روز تدبیریں کر کے خوش ہوں گے کہ ہم نے اسلام کا نقصان کیا مگر بالآخر پتہ چل جائے گا کہ واقع میں نقصان اپنی جان کا ہوگا .. دنیا میں بچ گئے تو آخر تمہیں خسارے کا مشاہدہ یقینی ہے

o "يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ"

[ہر چیخ کو اپنے ہی خلاف سمجھتے ہیں۔ وہ دشمن ہیں ان سے بچو]

یعنی بزدل اور ڈرپوک اتنے تھے کہ ذرا کہیں شور و غل ہو تو دل دہل جائے سمجھیں کہ ہم پر کوئی بلا آئی ہے سنگین جرموں اور بے ایمانیوں کی وجہ سے خوف ان کے دل میں ہر وقت لگا رہتا ہے کہ دیکھیے کہ ہماری دغابازیوں کا پردہ چاک تو نہیں ہو گیا یا ہماری حرکات کی پاداش میں کوئی افتاد تو پڑنے والی نہیں۔ مگر یہی پکے بے ایمان اسلام کے دشمن ہیں ان سے بچنا ضروری ہے۔

2 تشبیہ :

جب ایک چیز کو دوسری چیز سے مشابہت دیکر بیان کیا جائے تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔ تشبیہ و تمثیل کے بیان کر دینے سے بہت سی مخفی باتیں کھل جاتی ہیں اور مدعا کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے ۔ حسن کلام کی بڑی دلیل یہی ہوتی ہے کہ تھوڑے الفاظ میں زیادہ مفہوم واضح کر دیا جائے اور یہ صفت تشبیہ میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ مثلاً کسی خوبصورت انسان کے چہرے کی رنگت و لطافت

کو بیان کرنا مقصود ہو تو اتنا ضرور کہنا پڑے گا کہ اس کی رنگت سفید ہے کہیں کہیں سرخی جھلکتی ہے لیکن اتنا کہہ دینے سے مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اگر چہرے کا لفظ استعمال کئے بغیر کسی سے پوچھا جائے کہ وہ کونسی چیز ہے جس کی رنگت سفید ہے کہیں کہیں سرخی جھلکتی ہے تو مخاطب کے ذہن میں لکڑی کے ڈبے کا خیال آئے گا جسے کسی تجربہ کار رنگساز نے سفید رنگ کیا ہو اور کہیں کہیں سرخی مائل بنادیا ہو۔ لیکن اگر اتنا کہہ دیا جائے کہ اسکا چہرہ گلاب کی مانند ہے معاً چہرے کی خوبصورتی کا تصور بھی ذہن میں آجائے گا اور چہرے کی دل فریبی اور خوشنمائی و لطافت بھی سمجھ میں آجائے گی

شاعر حضرات اسی لئے تشبیہ کا سہارا لیتے ہیں بقول میر تقی میر

شعر

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

تشبیہ میں چار چیزیں پائی جاتی ہیں

۱۔ مشبه ۔ جس کو تشبیہ دی جائے ۲۔ مشبہ بہ۔ جس سے تشبیہ دی جائے ۳۔ وجہ تشبیہ۔ جس بات میں تشبیہ دی جائے ۴۔ اذات تشبیہ۔ وہ حروف کلمات جو تشبیہ پر دال ہوں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ (آل عمران: ۵۹) (اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ کی مانند ہے کہ ان کو مٹی سے بنا کر کہا کہ زندہ ہوجا اور وہ ہوگئے) اس آیت میں عیسیٰؑ مشبہ۔ آدم مشبہ بہ۔ کاف اداتِ تشبیہ اور ماں باپ کے بغیر پیدا ہونا وجہ تشبیہ ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دے کر الوہیت عیسیٰؑ کی دھجیاں اڑادی گئیں ہیں نصاریٰ کے نزدیک جو چیز عیسیٰؑ کی خدائی کی دلیل تھی صرف ایک تشبیہ سے وہ دلیل باطل ہوگئی۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ وجہ تشبیہ میں مشبہ بہ ہمیشہ زیادہ کامل ہوتا ہے چنانچہ حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے اس اعتبار سے ان میں شان الوہیت زیادہ

تھی۔ حالانکہ متفقہ طور پر ان کو خدا نہیں تسلیم کیا جاتا اگر مشبہ بہ کو خدا تسلیم نہیں کیا جاتا تو پھر مشبہ کو کیسے خدا کہہ سکتے ہیں جو صفت میں مشبہ بہ سے کم درجہ پر ہیں غور کریں کہ تشبیہ نے بات سمجھنا کتنا آسان کر دیا تشبیہ سے متعلق چند مثالیں قرآن مجید سے پیش کی جاتی ہیں۔

1۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا (النور :۳۹)

(اور جو لوگ کافر ہوئے ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے ریت جنگل میں پیاسا اس کو پانی سمجھتا ہے پھر جب اس کے پاس آتا ہے اس کو کچھ نہیں پاتا)

کافر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے عقیدوں کے مطابق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد یہ اعمال کام آئیں گے۔ حالانکہ کوئی عمل بظاہر اچھا بھی ہو تو کفر کی وجہ سے مردود ہے۔ ان کی مثال چمکتی ریت کی طرح ہے کہ پیاسے کو دوپہر کے وقت دور سے پانی کی طرح دیکھائی دیتی ہے وہاں جاتا ہے تو وہاں کچھ بھی نہیں پاتا۔ کافر کو اپنے اعمال مثلاً ہسپتال بنا دینا پانی کی سبیل لگوا دینا یا کسی کافر کا کوئی تعلیمی ادارہ یا عبادت خانہ بنوا دینا بہت فائدہ مند نظر آتے ہیں اور مستقبل میں ان سے بڑی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں مگر قیامت کے دن کافر اپنے اعمال سے کچھ فائدہ نہ پائے گا۔

دوسری قسم کے کافر وہ ہیں جو سر سے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق اور جہل و کفر کے اندھیروں میں غوتے کھاتے ہیں۔ ان کی مثال اگلی آیت میں بیان فرمائی کہ ان کے دل میں اتنی بھی چمک نہیں جتنی سراب پر دھوکہ کھانے والوں کو نظر آتی ہے۔ یہ تو شدید تر اندھیروں میں ہیں کہ کسی طرف سے روشنی کی چمک ان تک نہیں آسکتی۔ اگلی مثال یہ ہے۔

2 "اَوْ كَظُلُمَاتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ" مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ" مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ" ظُلُمَاتٌ" بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ

يَرٰاهَا (النور: ٤٠)

[یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں جو چھتی ہے اس پر ایک لہر اس کے اوپر ایک اور لہر اس کے اوپر ایک اور بادل۔ اندھیرے ہیں ایک پر ایک جب نکالے اپنا ہاتھ نہیں قریب کہ دیکھے اس کو]

3۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ط لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ (ابراهيم: ١٨)

[مثال ان لوگوں کی جو منکر ہوئے اپنے رب سے ان کے اعمال اس راکھ کی طرح ہیں جس پر چلی زور کی آندھی]

کفار یہ سمجھتے تھے کہ ہم بہت سے نیک اعمال کرتے ہیں یہ سب اکارت کیسے ہو جائیں گے ان کو اس مثال کے ذریعے سمجھایا کہ دیکھو جس طرح آندھی میں لاکھوں ذرات اڑ جاتے ہیں اس طرح تمہارے اچھے اعمال پر کفر کی آندھی چل جائے تو کسی کام کے نہ رہیں گے۔ جیسے کسی شخص کے ہاتھ پاؤں اور دیگر تمام اعضاء صحیح سالم ہوں مگر اس کی روح نکل جائے تو ہاتھ پاؤں کا صحیح سالم ساتھ ہونا کس کام آئے گا۔

4. ''وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ'' (الاعراف: ١٧١)

[اور جب ہم نے اٹھایا پہاڑ ان پر مثل سائبان کے]

بنی اسرائیل نے تورات کے احکام ماننے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو ان کے سروں پر کر دیا کہ مان لو ورنہ یہ تمہارے اوپر گر جائے گا۔ اس وقت کی پہاڑ کی حالت کو واضح کیا کہ پہاڑ کے اٹھانے سے مراد اس کا ہلانا یا دیوار کی طرح ٹیڑھا کرنا نہیں بلکہ پوری قوم بنی اسرائیل اس کے نیچے آچکی تھی اگر اقرار نہ کرتے تو فوراً اس کے نیچے دبا دیئے جاتے جب اقرار کر لیا تو پہاڑ دوبارہ اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ اور پوری قوم کا نیچے آجانا اس تشبیہ سے واضح ہو گیا۔

5. وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الحديد: ٢١)

[اور جنت جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے۔]

جنت کی وسعت کو اس سے زیادہ آسان انداز میں نہیں سمجھایا جا سکتا۔ اگرچہ سورج اور ستارے زمین سے بہت بڑے ہیں مگر ظاہری نظر میں چھوٹے دکھائی دیتے ہیں۔ انسان کو زمین اور آسمان سے بڑی کوئی چیز نظر نہیں آتی بلکہ اس کو ان کا کنارہ بھی نہیں ملتا تو جنت کی وسعت کو سمجھایا کہ اس کی چوڑائی زمین وآسمان دونوں کی چوڑائی کی طرح ہے۔ تو اس کا طول کتنا ہو گا جبکہ طول عام طور پر عرض سے زیادہ ہوا کرتا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ جنت کی وسعت کو ذھن نشین کرنے کیلئے اس سے زیادہ جاندار اور آسان اسلوب نہیں ہے۔

6. مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِلُوْا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (الجمعه: ۵)

[مثال ان لوگوں کی جن کو اٹھوائی تورات پھر انہوں نے اس کو نہ اٹھایا گدھے کی طرح ہے جو اٹھائے کتابیں]

اس تشبیہ میں جہاں علماء یہود کی بے عملی کو جس انداز سے ظاہر کیا گیا ہے اس سے اعلیٰ اسلوب نا ممکن ہے۔

7۔ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ط (الاعراف: ۱۷۶)

[اس کی حالت کتے کی طرح ہے اگر اس پر بوجھ لادے تو ہانپے چھوڑے تو ہانپے]

اس جگہ بلعم باعور جو ایک عالم سوء تھا اس کی حالت کو بیان کیا کہ دنیا کے حرص کی وجہ سے اس کی زبان لٹک گئی اور ترک آیات کی نحوست سے مسلسل کتے کی طرح ہانپنے لگا۔

حضرت عثمان غنی فرماتے ہیں آیات کا شان نزول کچھ بھی ہو بہر حال ایسے ہوا پرستوں کا انجام بتلایا گیا جو حق کے قبول کرنے یا پوری طرح سمجھ لینے کے بعد محض دنیوی طمع یا سفلی خواہشات کی

پیروی میں احکام الہیہ کو چھوڑ کر شیطان کے اشارے پر چلنے لگے اور خدا کے عہد وپیثاق کی کچھ پروا نہ کریں۔ پھر فرماتے ہیں علماء سوء کے لئے ان آیات میں بڑا عبرت ناک سبق ہے اگر دھیان کریں (تفسیر عثمانی ص ۲۳۰)

8۔ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (الحاقه : ۷)

[گویا کہ وہ کھجور کے بے جان تنے ہیں]

عذاب کے بعد قوم عاد کے مردہ جسموں کو کھجور کے کھوکھلے تنوں سے تشبیہ دی ہے وجہ تشبیہ قد کی لمبائی اور سر کا جدا ہونا ہے اور بے گور وکفن زمین پر لاوارث پڑے ہوتا ہے۔

9۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتاً ۚ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ (العنكبوت : ۴۱)

[مثال ان لوگوں کی جنہوں نے خدا کے سوا کارساز بنا لئے مکڑی کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا اور سب گھروں میں کمزور مکڑی کا گھر ہے]

جس طرح مکڑی کا جالا نہ بارش کو روک سکتا ہے نہ آندھی کو اسی طرح مشرکین کے معبودین باطلہ کسی مشکل کو دور نہیں کر سکتے۔ مشرکین ایسی مثالوں کا استہزاء کرتے کہ وہ اللہ کے کلام کے لائق نہیں حالانکہ مشبہ بہ تو مشبہ کے مطابق ہونا چاہیے نہ کہ تشبیہ دینے والے کے۔

10۔ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ (الرحمٰن : ۲۴)

[اور اس کے لئے ہیں جہاز اونچے کھڑے دریا میں پہاڑوں جیسے]

اس میں سمندری جہازوں کو اپنی عظمت میں پہاڑوں سے تشبیہ دی ہے۔ آج کل تو بحری بیڑے بن چکے ہیں جن میں جہازوں کے کھڑے ہونے اور اترنے چڑھنے کیلئے رن وے بنے ہوئے ہیں ۔چودہ سو سال پہلے تو اتنے بڑے جہازوں کا تصور ہی نہیں تھا۔ یہی باتیں حقانیت قرآن کی بین دلیل ہیں۔

۔ارشاد باری تعالیٰ ہے

11۔ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ أَاِذَا مَامِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۝ اَوَ لَا يَذْكُرُ
الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا (مریم: ۶۶، ۶۷)

[اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو پھر زندہ (کیسے) کیا جاؤں گا۔ کیا وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ پہلے جب وہ کچھ بھی نہیں تھا ہم نے اسے پیدا کیا]

مقصد یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جب انسان کو اس وقت پیدا کر دیا جب وہ کچھ بھی نہ تھا تو پھر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کون سی مشکل بات ہے یہاں پر بعثت قیامت کو بعثت حیات اولیٰ سے تشبیہ دی گئی ہے اب دوبارہ زندہ کا انکار کرنے والا آئے اور جواب دے کہ جب خلق اجسام ممکن ہے تو حشر انسان کس طرح ناممکن ہو گا۔ یقیناً اس کا جواب کوئی نہیں دے سکے گا اس مقام پر قرآن مجید کی بلاغت قابل غور ہے کہ تشبیہ کے ذریعے ایک مشکل سوال کا جواب کس قدر موزوں مناسب انداز میں دیا گیا ہے۔

12. وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ (نوح: ۱۶)

[اور چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا]

اس آیت میں چاند کو نور سے اور سورج کو چراغ سے تشبیہ دی گئی۔ وجہ تشبیہ دونوں میں رفع ظلمت ہے چاند کے لئے روشنی اور سورج کیلئے چراغ کے الفاظ کا استعمال کرنا بھی اعجاز قرآن کی واضح دلیل ہے مفسرین نے ۱۴۰۰ سال پہلے لکھا کہ نور القمر مستفاد من نور الشمس [چاند کا نور سورج سے مستعار لیا گیا]

نہ تو اس وقت بجلی کی دریافت ہوئی تھی نہ الیکٹرانک مشینوں کا زمانہ تھا نہ ہی خلائی مشن بھیجے گئے تھے ۔لیکن علیم خبیر ذات نے سائنسی اشارات پہلے ہی دے دیئے تھے ورنہ ایسی بات کرنا اس وقت کے انسان کے بس کی بات نہیں ہو سکتی۔ تاہم یہ طے شدہ بات ہے کہ سورج کا نور ذاتی ہے اس لئے

اسے چراغ کہا گیا جبکہ چاند کا نور مستعار ہے اس لئے اسے روشنی کہا گیا۔ قرآن مجید میں ایک جگہ سورج کا تذکرہ مونث کے صیغے میں بازغۃ (روشن) کیا گیا ہے جبکہ چاند کا تذکرہ مذکر کے صیغے بازغا سے کیا گیا ہے۔ مفسرین نے اس کی بھی وجہ یہی لکھی کہ سورج کی مثال ماں کی سی ہے اور چاند کی مثال بچے کی سی ہے۔ جس طرح بچہ اپنی ماں کے سینے سے دودھ پی نشوونما پاتا ہے اسی طرح چاند سورج سے روشنی لینے کی وجہ سے بڑھتا گھٹتا نظر آتا ہے قرآن مجید کے اعجاز پر حیرت ہوتی ہے کہ دو مختلف الفاظ استعمال کر کے کتنے حقائق سے پردے سے اٹھا دیئے۔

3 استعارہ :

استعارہ در حقیقت ایک تشبیہ مختصر کا دوسرا نام ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہنا کہ میرا شیر تلوار کا دھنی ہے اس کا مقصد یہ ہوگا کہ فلاں شخص جو بہادری میں شیر کی مانند ہے وہ تلوار چلانے کا بڑا ماہر ہے پس استعارہ ایک ایسی تشبیہ ہے جس میں زیادہ سے زیادہ مشبہ بہ کا ذکر ہوتا ہے باقی اجزائے تشبیہ ساقط کر دیئے جاتے ہیں جبکہ تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں کا ذکر ضروری ہوتا ہے۔

چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

1۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ (الملك. ٥)

[اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے آراستہ کیا]

اس میں نجوم کو مصابیح سے تشبیہ دے کر نجوم کو حذف کر دیا۔

2۔ وَاِنَّه فِیْ اُمِّ الْكِتَابِ (الزخرف : ۴)

[بے شک وہ لوح محفوظ میں ہے]

ام الکتاب سے لوح محفوظ مراد ہے کیونکہ وہ تمام کتابوں سے پہلے لکھی گئی اور تمام کتابوں کی اصل قرار پائی۔

3۔ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (الانعام: ۹۲)

[اور تاکہ تو مکہ والوں کو ڈرائے اور اس کے ارد گرد رہنے والوں کو]

چونکہ سب سے پہلے بیت اللہ کو بنایا گیا اس لئے تمام بستیوں کیلئے مکہ کو بطور دائرہ کے مرکز کے قرار دیا۔

4۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جُنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (الاسراء: ۲۴)

[اور ان کے لئے کندھے جھکا عاجزی اور نیاز مندی سے]

انسانی بازو کو پرندے کے پر سے تشبیہ دی کر مشبہ کو حذف کر دیا مطلب یہ ہے کہ والدین سے انتہائی نرمی سے پیش آؤ۔

5۔ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ (النحل: ۱۱۲)

[پھر چکھایا اللہ تعالیٰ نے اس کو لباس بھوک اور خوف کا]

اس میں بھوک قحط سالی اور خوف وہراس کے ساتھ لباس کا لفظ استعمال کیا کہ جیسے لباس جسم کے ہر طرف ہوتا ہے اسی طرح قحط سالی اور خوف وہراس نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ مزید برآں لباس کی طرح جسم خائف پر زردی چھا جانا یا بھوک کی وجہ سے پورے جسم کا کمزور ہو جانا کتنا لطیف پیرایہ بیان ہے۔

6۔ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۝ (التکویر: ۱۸)

[اور صبح کی قسم جب سانس لیوے]

گویا آفتاب کو تیرنے والی مچھلی سے اور طلوع سے پہلے اس کے نور کو منتشر ہونے کو مچھلی کے سانس سے تشبیہ دی جیسے مچھلی دریا میں آنکھوں سے پوشیدہ گذرتی ہے اور اس کے سانس لینے سے پانی اڑتا ہے اسی طرح آفتاب کی حالت قبل طلوع ہے

7۔ كُلَّمَا اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ (المائدہ: ۶۴)

[جب کبھی لڑائی کے لئے آگ سلگاتے اللہ اس کو بجھا دیتا ہے]

اس میں دلوں کی عداوت کو آگ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

8۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ" (الانبیاء:۱۸)

[بلکہ ہم حق کو مارتے ہیں باطل پر تو وہ اس کا سر پھوڑ دیتا ہے پھر مٹ جاتا ہے]

اس میں حق وباطل کے مقابلے کے دو دشمنوں کی لڑائی سے تشبیہ دی اور حق کے غلبہ کو مقابل کے سر پھوڑنے سے تعبیر کیا۔

9۔ وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ (یٰس:۳۷)

[اور نشانی ہے ان کے لئے رات کھینچ لیتے ہیں ہم اس سے دن تو وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں]

نسلخ کہتے ہیں جانور کی کھال اتارنے کو جس سے نیچے کا گوشت ظاہر ہو جائے یہاں نسلخ استعارہ ہے رات کے ظاہر ہونے سے یوں سمجھو کہ رات کی تاریکی پر دن کی چادر پڑی ہوئی ہے جب یہ نور کی چادر اوپر سے اتاری جاتی ہے لوگ اندھیرے میں پڑے رہ جاتے ہیں۔آج کل خلائی گاڑیوں میں رہنے والے خلاباز اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ جب وہ خلا میں بیٹھ کر زمین کی طرف دوربین سے دیکھتے ہیں تو زمین چونکہ اپنے مرکز کے گرد گردش کر رہی ہے تو اس جو حصہ سورج کے سامنے آتا جاتا ہے وہاں رات کی تاریکی ختم ہوتی جاتی ہے اور دن کی روشنی پھیل جاتی ہے دیکھنے والے کو ایسے ہی محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کسی جانور کی کھال اتاری جارہی ہے اور اندر سے گوشت نظر آرہا ہے۔یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ پروردگار عالم کے کلام نے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھادیا ہے جن کو سمجھنے کے لئے انسانی عقلوں کو ہزاروں سال ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا

وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

10۔ وَلَمَّا سَكَتَ عَن مُّوسَى الْغَضَبُ (الاعراف:۱۵۴)

[اور جب تھم گیا موسیٰ کا غصہ]

اس میں خاموش ہو جانا استعارہ ہے غصے کے تھم جانے سے تو غصہ مشبہ اور انسان مشبہ بہ پھر مشبہ بہ کو حذف کر دیا اور سکت کو غصہ کے لئے ثابت کر دیا ہے۔

11۔ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ (الحاقة: ۱۱)

[جب پانی نے جوش مارا ہم نے تم کو کشتی میں اٹھالیا]

پانی کی کثرت کو سرکشی سے تعبیر کیا۔ حسن کلام کی انتہا ہے۔

12۔ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ (حم سجدہ: ۵۱)

[اور جب پہنچے اس کو برائی تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا ہو جاتا ہے]

دعا کا چوڑا ہونا استعارہ ہے دیر تک دعا کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ فریاد کرنے والا تفصیلی سنا کر خوش ہوتا ہے۔

13۔ حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (محمد: ۴)

[یہاں تک کہ رکھ دے لڑائی اپنے ہتھیار]

یہاں ہتھیار رکھنا استعارہ ہے جنگ کے ختم ہو جانے سے۔

14۔ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا (البقرة ۲۱۴)

[پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور ہلائے گئے]

مصیبت کو جسم کے ساتھ ملنے والے کپڑے سے تشبیہ دے کر مشبہ بہ کو حذف کر دیا ہے۔

15۔ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ (آل عمران: ۱۸۷)

[پھر پھینک دیا انہوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ کے پیچھے]

عہد کا پھینکنا استعارہ ہے اس کو پورا نہ کرنے سے۔

16۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ (الشعراء:۲۲۵)

[کیا نہ دیکھا تو نے کہ وہ ہر وادی میں سر مارتے پھرتے ہیں]

وادیوں میں سرگردان ہونا استعارہ ہے فنون شعر میں وقت ضائع کرنے سے۔

17۔ وَلاَ تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ (الاسراء:۲۹)

[اور نہ کر اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن سے]

ہاتھوں کا گردن سے بندھا ہونا استعارہ ہے بخل سے۔ بخل کی مذمت اس سے بہتر الفاظ میں نہیں کی جاسکتی۔

18۔ فَضَرَبْنَا عَلٰی اٰذَانِهِمْ (الکھف:۱۱)

[پھر تھپکی دی ہم نے ان کے کانوں پر اس غار میں]

کانوں پر تھپکی دینا استعارہ ہے آرام دہ نیند سے کہ کوئی خبر ان (اصحاب غار) کے کانوں میں نہ پڑتی تھی۔

19۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلاَ تَفَرَّقُوْا (آل عمران ع ۱۱)

[تم اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو اور متفرق مت ہو]

اسی آیت میں اسلام کو حبل اللہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔وجہ جامع قوت رابطہ اور ولا تفرقوا قرینہ استعارہ ہے۔

20۔ فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (الفجر:۱۳)

[پھر برسایا ان پر تیرے پروردگار نے کوڑا عذاب کا]

عذاب کے نازل کرنے کو پانی برسانے سے تشبیہ دی پھر مشبہ بہ کو حذف کر دیا۔

4 تلازم

تلاؤم کہتے ہیں کہ حسن کلام ایسا ہو کہ اس کے معانی عوام الناس کو صاف سمجھ میں آجائیں۔ یعنی جو لوگ زبان پر زیادہ عبور نہ بھی رکھتے ہوں ان کیلئے بھی بات سمجھنی آسان ہو۔ اس کا تعلق طبیعت کے ذوق کے ساتھ ہے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن پاک سارے کا سارا تلاؤم کے اعلیٰ درجے میں ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر: ۱۷)

[اور تحقیق ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا تو ہے کوئی سمجھنے والا]

5 فواصل

فقرات کے آخری الفاظ کو فواصل کہتے ہیں اور اگر فواصل کے آخری حروف باہم متفق ہوں تو اسے سجع کہتے ہیں جیسے

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ○ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ○ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ○ حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ ○ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ ○ (مدثر ع ۲)

[مجرم کہیں گے کہ ہم نہ تو نماز پڑھتے تھے اور نہ مساکین کو کھانا کھلاتے تھے۔ البتہ اور لوگوں کے شغلوں میں ہم مشغول رہتے تھے۔ یوم قیامت کی تکذیب کرتے تھے۔ آخر موت آگئی۔ اب سفارش کرنے والوں کی سفارش سے کوئی فائدہ نہیں]

ان تمام فواصل کے آخر میں نون ہے۔ سجع کی وجہ سے کلام کی موزونیت اور جاذبیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ادباء اور شعراء تکلف سے کام لے کر اپنے کلام میں اس صفت کو پیدا کرتے ہیں اسی لئے کئی مرتبہ ان کا کلام بے جان سا معلوم ہوتا ہے۔ مگر قرآن پاک کا انداز ہی نرالا

ہے۔درج ذیل میں فواصل کے باہم متفق ہونے کی تین قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔

ا۔ سجع مطرف :۔لفظ کے آخری وہ حروف جن پر سجع کا دارومدار ہوتا ہے حروف روی کہلاتے ہیں۔ سجع مطرف میں الفاظ فواصل روی میں متفق ہوتے ہیں مگر وزن میں مختلف ہوتے ہیں مثلا

مَالَکُمْ لاَ تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ٥وَقَدْ خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا٥ (نوح ع١)

[کیا ہوا ہے تم کو کیوں نہیں امید رکھتے اللہ سے بڑائی کی۔اور اسی نے بنایا تم کو طرح طرح سے]

اس آیت میں وقارا اور اطوارا حروف روی میں متفق جبکہ وقارا اور اطوارا کا وزن مختلف ہے

۲۔ سجع متوازی :۔الفاظ اصل وزن اور روی دونوں میں متفق ہوں جیسے

فِيْهَا سُرُر'' مَرْفُوْعَة''٥وَاَکْوَاب'' مَّوْضُوْعَة''٥ (غاشیہ :۱۳،۱۴)

[جنت میں اونچے تخت ہوں گے اور چنے ہوئے برتن ہوں گے]

اس آیت میں الفاظ مرفوعہ اور موضوعہ وزن اور روی دونوں میں متفق ومتحد ہیں۔

۳۔ سجع مرصع :۔ایک فقرے کے اکثر الفاظ یا کل الفاظ دوسرے فقرے کے الفاظ سے قافیہ اور وزن میں متفق ہوں۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ٥ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ٥ (انفطار : ع ۱)

[نیک لوگ بے شک آسائش میں ہوں گے۔اور بدکار لوگ بے شک دوزخ میں ہوں گے]

پہلے فقرے کے الفاظ ان الابرار دوسرے فقرے کے ان الفجار کے ہم وزن اور ہم قافیہ ہیں جبکہ لفی نعیم اور لفی جحیم ایک دوسرے کے ہم وزن اور ہم قافیہ ہیں۔ سجع کے مختلف مراتب ہیں۔سب سے بہترین سجع وہ کہلاتی ہے جس میں فقرات سجع کے کلمات برابر ہوں۔مثلا

فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ٥وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ٥وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ٥ (واقعہ : ع ۱)

[جنتی لوگ بے خار بیریوں اور لدے ہوئے کیلوں اور گہرے سایوں میں ہوں گے]

اس آیت میں سدر مخضود، طلح منضود اور ظل ممدود تین فقرے ہیں اور تینوں کے کلمات برابر ہیں۔ قرآن مجید میں بعض اوقات ردیف فواصل سے پہلے بھی آئی ہے جیسے

اَفَلاَ یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ٥ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ٥ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ٥ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ٥ (غاشیہ : ۱۷ تا ۲۰)

کیا وہ لوگ نہیں دیکھتے اونٹ کو کہ کیسے پیدا کیا گیا۔ اور آسمانوں کو کیسے بلند کیا گیا۔ اور پہاڑ کس طرح گاڑا گیا۔ اور زمین کو کس طرح بچھایا گیا]

ان آیات میں کیف بطور ردیف فواصل سے پہلے واقع ہوئی ہے۔

قرآن مجید کی خاص شان یہ ہے کہ اس میں بعض اوقات سلسلہ کلام کے دوران ہی ایک فاصلے سے دوسرے کی طرف عجیب انتقال ہوتا ہے جیسے سورۃ النجم کی پہلی ۵۶ آیات الف پر ختم ہوتی ہیں۔ پھر یکدم انداز بدل جاتا ہے دو آیات کے آخر میں تا تانیث پھر تین آیات کے آخر میں واؤ نون ہے آخری آیات میں صرف واؤ ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰی ٥ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰی ٥ هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰی ٥ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ٥ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ٥ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ٥ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ٥ وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ ٥ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ٥ (النجم ۵۴ تا ۶۲)

سورت محمد کو بھی دیکھئے اس کی آیات کے آخر میں میم ہے مگر دو آیات کے آخر میں الف ہے اس لئے کہ قرآن کا اپنا نرالا انداز ہے اور اس میں الفاظ کو معنی کے تابع کیا گیا ہے۔ اس لئے نہ تو معنی میں اس کا مقابلہ ہو سکتا ہے نہ ہی الفاظ میں۔ بس قرآن مجید اپنی مثال آپ ہے۔

6 تجانس

تجانس کی تعریف یہ ہے کہ کلام میں دو لفظ لائیں جو تلفظ میں مشابہ اور معنی میں مختلف ہوں۔اس کی چند صورتیں ہیں

ا۔تجنیس تام :۔دو لفظوں کا دیکھنے اور بولنے میں اس طرح یکساں ہونا کہ ان کے حروف کی تعداد اور نوع اور لفظ کی ہئیت بالکل ایک سی ہو۔جیسے

يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ (روم ع ٦)

[جس دن قیامت قائم ہو گی گناہگار لوگ قسمیں کھائیں گے کہ وہ دنیا میں گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے]

اس آیت میں ساعۃ کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے۔پہلی جگہ قیامت کے معنی اور دوسری جگہ مقدار وقت کے معنی آیا ہے۔

۲۔تجنیس ناقص یا زائد :۔الفاظ متجانس کا عدد میں کم وبیش ہونا۔جیسے

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ (القیامۃ ع ا)

[جب پنڈلی سے پنڈلی لپٹے گی تو سمجھ لے کہ آج کے دن تجھے اپنے رب کی طرف جانا ہے]

اس آیت میں الفاظ متجانس ساق اور مساق ہیں۔دونوں میں ایک حرف کا فرق ہے۔

۳۔تجنیس مضارع :۔الفاظ متجانس اعداد و حروف و ھیئت میں متفق ہوں مگر ایک ایک حرف دونوں میں مختلف ہو اور یہ دونوں حرف ہم مخرج ہوں جیسے

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ (انعام ع ۳)

[وہ اس سے اوروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی رکتے ہیں]

ینھون از ینئون میں ھ اور ء کا فرق ہے جبکہ دونوں ہم مخرج ہیں۔

۴۔ تجنیس لاحق :۔ اگر متجانس الفاظ کے اعداد، حروف اور ھیئت میں متفق ہوں مگر دونوں کا ایک ایک حرف مختلف ہو اور یہ دونوں حروف بعید المخرج ہوں جیسے

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِيْ الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ

(مومن ع ۸) [یہ عذاب ان باتوں کی وجہ سے ہے جس پر تم دنیا میں ناحق خوش تھے اور اس کا جو تم اتراتے تھے]

یہاں پر تمرحون اور تفرحون میں تجنیس ہے مگر ف اور م بعید المخارج ہیں۔

۵۔ تجنیس لفظی :۔ متجانسین بولنے میں ایک جیسے ہوں مگر لکھنے میں مختلف ہوں۔ جیسے

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ (القیامۃ ع ۱)

[یعنی چہرے اس دن تر تازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے]

ناضرۃ اور ناظرۃ میں تجنیس ہے مگر یہ الفاظ بولنے میں یکساں اور لکھنے میں مختلف ہیں

۶۔ تجنیس اشتقاق :۔ متجانس الفاظ ایک باب یا ایک مادے سے مشتق ہوں جیسے

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ (روم ع ۵)

[دین قیم کی طرف متوجہ رہو]

اقم اور قیم میں تجنیس ہے اور یہ دونوں الفاظ باب قام یقوم میں سے ہیں۔

۷۔ تجنیس شبیہ الاشتقاق :۔ متجانس الفاظ بظاہر ایک باب سے معلوم ہوتے ہوں لیکن در حقیقت مختلف ابواب میں سے ہوں جیسے

قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ (شعراء : ع ۹)

[لوط نے اپنی قوم سے کہا کہ میں تمہارے عمل سے بغض رکھتا ہوں]

قال اور قالین میں تجنیس ہے بظاہر دونوں الفاظ ایک مادے سے مشتق معلوم ہوتے ہیں لیکن

حقیقت میں مختلف ہیں۔قال .قول سے ہے اور قالین قلی سے ہے جس کے معنی بغض رکھنا کے ہیں۔

۸۔تجنیس مرکب :۔ متجانس الفاظ مفرد ہونے میں مختلف ہوں جیسے

اِثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ط اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (توبہ: ع٦)

[تم زمین پر لیٹے جاتے ہو. کیا آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو پسند کر بیٹھے]

اس آیت میں ارض اور ارضیتم کے الفاظ میں تجنیس ہے۔ پہلا لفظ مفرد ہے اور دوسرا مرکب ہے۔

۹. تجنیس خطی :۔ متجانس الفاظ کے حروف متشابہ ہوں اور اگر ان کے نقاط مٹا دیئے جائیں تو دونوں میں کوئی فرق نہ رہے۔ جیسے

وَالَّذِى هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَ يَسْقِيْنِ o وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ o (شعراء ع ٥)

[وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور مریض ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے]

یسقین اور یشفین میں تجنیس ہے۔ اگر نقطے مٹا دیئے جائیں تو دونوں الفاظ یکساں نظر آتے ہیں۔

۱۰۔تجنیس عکس :۔ متجانس الفاظ کے حروف کی نوعیت ایک ہو۔ لیکن ترتیب باہم پلٹی ہوئی ہو۔

مثلا ربك فكبر (مدثر ع۱)[اپنے رب کی تکبیر پڑھ]

یہاں ربك فكبر میں حروف کی ترتیب الٹی کر دیں تو پڑھنے سے وہی آیت کے الفاظ بن جائیں گے.

دوسری آیت میں كل فى فلك (یسین :۴۰)[ہر ایک اپنے دائرے میں]

اس آیت میں تجنیس عکس پائی جاتی ہے اس کے سات حروف ہیں ک.ل.ف.ی.ف.ل.ک. اگر ان حروف کو بائیں سے دائیں پڑھیں تو بھی وہی الفاظ بن جاتے ہیں۔

اب درج ذیل میں تجنیس کی مزید مثالیں قرآن مجید سے پیش کی جاتی ہیں۔

1. فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ ۝ (الروم: ٤٣)

[اور سیدھا رکھیں اپنے چہرے کو سیدھی راہ پر]

یہاں اقم اورقیم میں تجانس ہے قاف اور میم دونوں میں ہیں مگر معنی میں فرق ہے۔

2. وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (النمل ٤٤)

[اور فرمانبردار ہوئی میں ساتھ سلیمانؑ کے اللہ کیلئے جو رب سب جہان والوں کا]

اسلمت اور سلیمان میں تجانس ہے

3. يٰاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ (یوسف: ٨٤)

[ہائے افسوس یوسف پر]

اسفا اور یوسف دونوں میں سین اور فا کی وجہ سے تجانس ہے۔

4. فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ (یوسف: ١٩)

[لٹکایا اس نے اپنا ڈول]

ادلیٰ اور دلوہ میں تجانس ہے۔

5. يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ (النور ٣٧)

[ڈرتے ہیں اس دن سے جس دن الٹ جائیں دل اور آنکھیں]

تتقلب اور قلوب دونوں کے حروف اصلی ایک جیسے ہیں اور معنی کا فرق ہے۔

6. وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ (الرحمٰن: ٥٤)

[اور میوہ ان باغوں کا جھکنے والا ہے]

جنی اور جنتین دونوں میں جیم اور نون کی وجہ سے تجانس ہے جنی کا معنی پھل اور

جنتین کا معنی دو باغ ہیں۔

7. فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ (الواقعه: ۸۹)

[تو راحت، روزی، اور نعمت کے باغ ہیں]

روح اور ریحان میں تجانس ہے۔ روح کا معنی راحت اور ریحان کا معنی ہے روزی۔

8. فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ

(البقرة: ۱۹٤)

[تو جس نے تم پر زیادتی کی تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر کی]

اعتدیٰ اور اعتدوا میں تجانس ہے پہلے میں زیادتی اور دوسرے میں زیادتی کا بدلہ مراد ہے۔

9۔ مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ (آل عمران: ٥٤)

[انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی تدبیر کی]

دونوں کا مادہ ایک ہے پہلے سے مراد چالاکی ہوشیاری اور دھوکہ جبکہ دوسرے سے مراد خفیہ تدبیر یا دھوکے کی سزا۔

10. ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (التوبه: ۱۲۷)

[پھر چل دیئے اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا]

اس میں انصرفوا اور صرف کے حرف اصلی ایک جیسے ہیں اور معنی کا فرق ہے

7 تصریف

ایک لفظ کو الٹ پھیر کر مختلف معانی حاصل کرنا تاکہ کلام میں حسن پیدا ہو جائے۔ جیسے الملك کو مالك اور ملك میں استعمال کرنا۔ یا ذی الملکوت اور المليك کے معانی میں استعمال کرنا ۔ قرآن مجید میں اس کی مثال مالك يوم الدين ہے بعض قراء ملك يوم الدين بھی پڑھتے ہیں۔

8 تضمین

کسی چیز کا ذکر کئے بغیر اس کے معانی حاصل کرنا تضمین کہلاتا ہے

1۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس میں تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت کی بنا پر ہر کام سے پہلے اس کو پڑھا جائے۔ اس کے نام سے برکت حاصل کرنے کیلئے پڑھا جائے (اعجاز القرآن)

2. حَقِيْقٌ" عَلٰى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ (الاعراف: ۱۰۵)

[قائم اس پر کہ نہ کہوں اللہ پر مگر حق]

حقیق حریص کے معنیٰ کو متضمن ہے

3. لَا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا . [نہ شریک کرو میرے ساتھ کسی کو]

لاتشرك کے بعد بی اس لئے لایا گیا کہ یہ لاتعدل کے معنیٰ کو متضمن ہے معنیٰ یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ عبادت اور محبت میں کسی کو برابر نہ کرو۔

ارشاد فرمایا

4. عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ (الدھر ٦)

[ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں اللہ کے بندے]

یشرب یروی کے معنیٰ کو متضمن ہے اس لئے اس کے بعد 'بہا' لایا گیا۔

9 مبالغہ

کسی چیز کی صفات کو ظاہر کرنے کیلئے پرزور لفظ استعمال کرنا مبالغہ کہلاتا ہے۔

1۔ خَالِقُ كُلِّ شَيْئٍ (الانعام: ۱۰۳) [خالق ہر چیز کا]

ایسے جاندار کلمات استعمال کئے کہ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز اس میں داخل ہو جاتی ہے۔

2۔ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (الاعراف :۴۰)

[اور نہیں داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ گھس جائے اونٹ سوئی کے ناکے میں]

یعنی جس طرح اونٹ کا اپنی ضخامت کے ساتھ سوئی کے ناکے سے گذرنا محال ہے اسی طرح مشرک کا جنت میں داخلہ بھی محال ہے

3۔ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ (النحل ۲۶)

[پھر حکم آپہنچا اللہ کا ان کی عمارت کو بنیادوں سے]

یعنی جب اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچا تو اس نے عمارت کی بنیادیں ہلا دیں عذاب الٰہی کے ایک جھٹکے میں ان کے تیار کیے ہوئے محل نیچے آپڑے ان کی چھتوں کے نیچے سب دب کر رہ گئے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کی تدبیریں ان ہی پر الٹ دیں جس طرح عمارت کی بنیاد ہل جائے تو معاملہ الٹ ہو جاتا ہے۔

4. اِنَّا اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (سبا : ۲۴)

[بیشک ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں]

اس میں ھدی کی تنوین تعظیم کیلئے ہے مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ کامل ھدایت پر اور آپ ﷺ کے مخالفین کھلم کھلا گمراہی میں ہیں مگر ایسا اسلوب اختیار کیا جس سے مقابل کو سوچنے سمجھنے کا موقعہ مل سکے۔

10 حسن البیان

کلام کی فضیلت اس کے حسن بیان کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا

اَلرَّحْمٰنُ ۝عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۝ (الرحمٰن : ۱۔۴)

[رحمٰن نے سکھایا قرآن پیدا کیا انسان کو، سکھایا اس کو بیان]

قرآن مجید کے حسن بیان پر نظر ڈالی جائے تو سب سے پہلی بات یہ سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ (آل عمران : ۱۳۸)

[یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے]

دوسری جگہ ارشاد فرمایا تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ [کھلا بیان ہے ہر چیز کا]

ایک جگہ یہ بھی ارشاد فرمایا بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (الشعراء : ۱۹۵)

[کھلی عربی زبان میں]

ان آیات سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید حسن بیان میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ قرآن مجید کے زور بیان کی چند مثالیں قابل غور درج ذیل ہیں۔

۝ حسن ترغیب کی مثال :۔

ترغیب کے بیان میں قرآن مجید کی آیات کے چند الفاظ ہی کافی ہیں

وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ (زخرف : ع ۷)

(جنت میں وہ چیزیں ہو نگی جن کو دل چاہے اور جو آنکھوں کو لذت دیں)

اس کلام سے معلوم ہوا کہ جنت کی تمام چیزیں دل پسند اور دیدہ زیب ہو نگی۔ قطع نظر اس کے کہ یہ فقرہ مصنوع اور مطبوع ہے یہ کلام کس قدر واضح ، فصیح بلیغ اور جامع ہے۔ اور مزید برآں صداقت اور واقعیت سے پر ہے۔ دیدہ و دل کے لئے اس سے زیادہ شوق کی بات کیا ہو سکتی ہے۔ وہ کون سی خوبی ہے جس کا ان الفاظ میں تذکرہ نہیں کیا گیا۔ عقیدت کیش دل ہو اور حسن

طلب نگاہیں تو معلوم ہو کہ ان الفاظ میں ترغیب و تشویق کا کس قدر جادو بھرا ہوا ہے۔

○ حسن ترہیب کی مثال :۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لاَ تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلاً ○اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لاَ تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا○

(بنی اسرائیل :ع ۷)

[سو کیا تم بے ڈر ہو گئے اس سے کہ دھنساوے تم کو جنگل کے کنارے یا بھیج دے تم پر آندھی پتھر برسانے والی پھر نہ پاؤ اپنا کوئی نگہبان ،یا بے ڈر ہو گئے ہو اس سے کہ پھر لے جائے تم کو دریا میں دوسری بار پھر بھیجے تم پر ایک سخت ہوا کا جھونکا پھر ڈباوے تم کو بدلے میں اس ناشکری کے پھر نہ پاؤ اپنی طرف سے ہم پر اس کا کوئی بازپرس کرنے والا]

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نافرمانوں کیلئے عذاب الٰہی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں اللہ تعالیٰ جسے پکڑنا چاہتا ہے،اس پر خشکی اور تری کو تنگ کر دیتا ہے۔ان مختصر الفاظ میں ڈرانے اور خوف دلانے کا کوئی پہلو باقی نہیں رہا۔سوچئے تو سہی کہ کہیں پناہ نہ ملنا، پناہ دینے والے کا نہ ملنا۔کسی کا یہ بھی نہ کہہ سکنا کہ ایسا کیوں ہوا۔یا جس نے پکڑا اس تک کسی کی پہنچ ہی نہ ہو سکے۔نافرمانوں کی مصیبت اور بے کسی کی انتہا ہے۔ان آیات کو سن کر انسان ہیبت اور عظمت الٰہی سے مرعوب ہو جاتا ہے اور قہر الٰہی کی شدت کا تصور کر کے بدن پر جھر جھری سی آجاتی ہے۔

○ حسن تفہیم کی مثال :

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ٥ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَا ذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ٥ (یونس: ع ۴)

[اے محبوب ﷺ ان کفار سے پوچھئے کہ تمہیں آسمان و زمین سے روزی دینے والا کون ہے۔ تمہاری سمع اور بصر کا مالک کون ہے۔ بھلا کون ہے بے جان سے جاندار کو نکالنے والا اور جاندار سے بے جان کو نکالنے والا۔۔ وہ جواب میں کہیں گے۔ اللہ۔ اب ان سے کہو کہ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی تم برائیوں سے نہیں بچتے۔ یہی تمہارا پروردگار برحق ہے اور حق کے بعد گمراہی رہ جاتی ہے۔ آخر تم کدھر جارہے ہو] ان آیات میں مخاطب سے ایسا سوال پوچھا گیا جس کا جواب ہی ان کی گمراہی کی دلیل ہو۔ تو اپنے مقصد کو واضح کرنے کے لئے یہ کس قدر پیارا انداز ہے۔

٥ قوت تخویف کی مثال :۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ٥ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ٥ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَ يَأْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ٥ (ابراھیم: ع ۳)

[تمام سرکش اور ضدی نامراد ہوگئے۔ آگے اس کے جہنم ہے پینے کیلئے پیپ کا پانی ملے گا وہ اسے گھونٹ گھونٹ کر کے پئیں گے لیکن وہ حلق سے نہ اترے گا ہر طرف سے اسے موت آئے گی لیکن وہ کسی طرح بھی نہیں مرے گا۔ اور اسے سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا]

پیاس کی شدت کے وقت پر لہو پینے کا تصور کر کے بدن میں تھر تھری پیدا ہو جاتی ہے پھر

موت کی تکلیف تو ہو مگر موت نہ آئے تو انسان کہاں جائیں۔ قرآن مجید کے اسی مضمون کو شاعر نے اپنے الفاظ میں ڈھالا ہے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

○ قوت زجر و توبیخ کی مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَقَالُوْا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ہ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ہ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ہ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا.

(مریم: ع ٦)

[یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنالیا۔ پس یہ تو بڑے غضب کی بات ہے۔ جس سے قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں۔ زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں۔ انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اللہ کا بیٹا ہے]

○ بے ثباتی عالم کا بیان:۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ہ (الحدید: ٢٠)

[جان لو کہ دنیوی زندگی صرف لہو ولعب۔ اور زینت اور مال واولاد میں باہمی تفاخر ہے لیکن اسکی مثال بارش کی سی ہے کہ جب برسے تو کسان کو کھیتی اچھی لگے پھر وہ پک کر خشک ہو جاتی ہے زرد نظر آتی ہے اور بالآخر بھوسہ بن جاتی ہے۔ آخرت کا یہ حال ہے کہ وہاں شدید عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت ورضامندی بھی ہے پس دنیوی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے]

یہ آیت وسعت مضامین کے لحاظ سے حیرت انگیز ہے۔ دنیوی زندگی کے تین درجے ہیں۔

ا۔بے عقلی کا زمانہ

اس میں بچے کو کھیل کود کے سوا کچھ اچھا نہیں لگتا۔ حتی کہ کھانے پینے کا ہوش بھی نہیں رہتا۔

۲۔کمال عقل کا زمانہ

اس میں نوجوان کو زینت وخود پسندی اچھی لگتی ہے۔ ہر نوجوان حسن میں یوسف زماں۔ قوت میں رستم زماں اور مال ودولت میں وحید وزماں کہلانے کا خواہش مند ہوتا ہے۔

۳۔انحطاط عقل کا زمانہ: اس میں بوڑھے آدمی میں پست ہمتی آجاتی ہے۔ اس کی گفتگو کا موضوع اکثر وبیشتر مال واولاد ہوتا ہے۔ غور کیجئے کہ بچے کی مثال سبز کھیت کی مانند ہے وہی دلفریبی وہی نزاکت ماں باپ کا قرۃ العین بنا رہنا۔ انکی امیدوں کا مرکز بن جانا مگر سبز کھیتی کی طرح دوسروں کی حفاظت ونگہداشت کا محتاج رہنا۔ جس طرح والدین بچے کی خاطر رات کو جاگتے ہیں اسی طرح کسان اپنی کھیتی کی خاطر رات کو جاگتا ہے۔ جس طرح والدین ہر حال میں بچے کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں اسی طرح کسان اپنی کھیتی کو ہر قیمت پر سرسبز دیکھنا چاہتا ہے۔ جب بچہ نوجوان بن جاتا ہے تو اس میں مادہ تولید پڑ جاتا ہے اسی طرح کھیتی پکنے پر اس میں دانہ پڑ جاتا ہے۔ نوجوان اپنے وسائل سے ماں باپ کی ضرورت پوری کرتا ہے۔ اسی طرح کھیتی کسان کی ضرورت پوری کرتی ہے۔ پھر جب انسان پر بڑھاپا آتا ہے تو اس کے پاس گذری زندگی کی باتوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا اسی طرح دانہ حاصل کرنے کے بعد کسان کے پاس بھوس کے سوا کچھ نہیں بچتا۔ پس نتیجہ نکلا کہ دنیا کی زندگی کو ثبات نہیں پس یہ دھوکے کا گھر ہے۔

◎ مذمت دنیا کا بیان :۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (القصص: ٦٠)

[تمہیں جو کچھ ملا ہے وہ متاع اور زینت دنیا ہے مگر یہ سب کچھ فانی و ناقص ہے البتہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے اور اس نے جو دینے کا وعدہ کر رکھا ہے وہ دونوں سے اچھی بھی ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے اب بھی تمہیں بات سمجھ نہیں آتی]

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ دنیا کی تمام نعمتوں کو ایک آیت میں سمیٹ کر ان کے بارے میں ایک ایسی بات کہی ہے جس نے انہیں بے قیمت ثابت کر دیا ہے متاع حیات کا تعلق اجتماعی زندگی سے زیادہ ہے جبکہ زینت حیات کا تعلق انفرادی زندگی سے زیادہ ہے قرآن مجید میں متاع حیات کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (ال عمران: ١٤)

[خوشنما معلوم ہوتی ہے لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی جیسے عورتیں، بیٹے، سونے چاندی کے ڈھیر، نشان لگے ہوئے گھوڑے، مویشی اور زراعت یہ سب کچھ متاع حیات دنیا ہے]

دوسری آیت میں زینت حیات کے متعلق فرمایا

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الکہف: ٤٦)

[مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی متاع ہے]

قرآن مجید کا حسن بیان ملاحظہ ہو کہ ایک آیت میں زینت حیات اور متاع حیات کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ یہ سب کچھ دھوکے کا سامان ہے۔ جبکہ آخرت کی نعمتیں دائمی ہیں گویا کہنا یہ چاہتے ہیں کہ دنیا مٹی گارے سے بنی اور فانی ہے جبکہ جنت سونے چاندی سے بنی اور باقی رہنے والی ہے۔ پس عقلمند آدمی کو چاہیے کہ آخرت کو دنیا کی خاطر برباد نہ کرے۔

○ موت کی سختی کا بیان :۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ وَقِيْلَ مَنْ سكہ رَاقٍ ۝ وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۝ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ ۝ (القيامة :ع ١)

[ہرگز ایسا نہیں۔ جب جان ہنسلی تک پہنچ گئی اور سب کہنے لگے کون ہے جھاڑ پھونک کرنے والا اور مرنے والے نے بھی سمجھ لیا کہ اب جدائی ہے۔ اور جب پنڈلی سے پنڈلی لپٹنے لگی تو (جان لے) یہی وقت ہے پروردگار کے پاس جانے کا]

جب جان ہنسلی تک آجاتی ہے اور سب تیمار دار طبیب کی راہ تک رہے ہوتے ہیں مگر مرنے والے کو جدائی کا یقین ہو چکا ہوتا ہے اور سکرات موت کی گھبراہٹ و تشنج کی وجہ سے پنڈلیاں باہم لپٹ جاتی ہیں۔ بلاغت الفاظ نے عالم سکرات کا نقشہ کھینچ دیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ آیت میں سکتہ اس طرح لایا گیا ہے کہ پڑھنے والا ہی جلال باری تعالیٰ کی وجہ سے سکتے میں آجاتا ہے

○ مرگ ظالم کا بیان :

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى

اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ (الانعام :ع ۱۱)

[کاش تم اس وقت کو دیکھتے کہ جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں پڑے ہوں اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوں کہ نکالو اپنی جانوں کو۔آج تمہیں سخت عذاب ملے گا اس لئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے متعلق ناحق باتیں کہتے تھے اور اس کی آیات سے تکبر کرتے تھے]

اس آیت کو پڑھتے ہی ملائکہ موت کی تصویر ذہن میں گھوم جاتی ہے۔ پھر فرشتوں کا ہاتھ پھیلا کر کہنا کہ نکالو اپنی جانوں کو۔ یہ کس قدر مؤثر بیان ہے۔ ولوترای کے الفاظ سے اس عذاب کی لامحدودیت کا پتہ چلتا ہے۔

○ خصائل انسانی کا بیان :

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝ (المعارج :ع ۱)

[بے شک انسان دل کا کچا ہے جب تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرتا ہے جب خیر ملتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے]

یہ بیان چھوٹی تین مقفی آیات پر مشتمل ہے۔ پہلی آیت میں دعویٰ ہے دوسری دو میں دلائل ہیں مگر جامعیت اتنی ہے کہ انسان کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔اس اختصار کے باوجود سجع کی رعایت اور صنائع لفظی و معنوی کا لحاظ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے دنیا کے اہل قلم کیلئے صلائے عام ہے کہ بارہ الفاظ میں انسان کی حقیقت کو بیان کر کے دکھائیں۔

○ خوف وہراس کا بیان :۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

يٰاَيُّهَاالنَّاسُ اتَّقُوْارَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَئٌ عَظِيْم ٥ يَوْمَ تَرَوْنَهَا
تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى
النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْد ٥(الحج: ع ١)

[اے لوگو اپنے رب سے ڈرو یاد رکھو کہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑا حادثہ ہے۔ جس دن تم دیکھو گے دودھ پلانے والیاں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی اور حاملہ اپنے حمل کو گرا بیٹھے گی اور تم لوگوں کو بے ہوشی کے عالم میں پاؤ گے مگر وہ بے ہوش نہیں ہونگے اور اللہ کا عذاب سخت ہے]

ماں کی اولاد کے ساتھ محبت مسلّم ہے۔ وہ ماحول کتنا ہولناک ہو گا کہ جب ماں اپنے بچے کو بھول جائے گی۔ قیامت کے دن کی شدت کو بیان کرنے کے لئے یہی کافی تھا مگر حاملہ کا حمل گرا بیٹھنا تو سخت ترین آفتِ ناگہانی کی دلیل ہے۔ خوف وہراس کی نقشہ کشی کے لئے اتنا بیان کافی تھا مگر علیم وخبیر پروردگار نے فرمایا کہ سب لوگ بے ہوشی کے عالم میں ہوں گے حالانکہ وہ بے ہوشی کے عالم میں نہیں ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ ان کا یہ حال ان کی بدحواسی کی وجہ سے ہوگا۔ خوف وہراس کا اس طرح نقشہ کھینچنا قرآن مجید ہی کا اعجاز ہے۔

O ہنگامہ آرائی کا بیان :۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ٥ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ٥ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ٥ وَصَاحِبَتِهٖ
وَبَنِيْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ٥ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ
مُّسْفِرَةٌ٥ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ٥ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ٥ تَرْهَقُهَا
قَتَرَةٌ٥ اُولٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ٥(عبس: ٣٣ تا ٤٢)

[جب کانوں کو بہرا کر دینے والا شور قیامت بپا ہوگا۔ اس دن آدمی اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور

اپنی اولاد سے بھاگے گا. ہر شخص کو اپنی فکر لگی ہو گی. اس دن بہت سے چہرے روشن خوش اور شاداں ہوں گے اور بہت سے چہرے غبار آلود ہوں گے جن پر سیاہی چھائی ہو گی یہی لوگ کافر ہوں گے]

روز محشر کی گھبراہٹ کا یہ عالم کہ انسان اپنے عزیز ترین رشتے داروں کو چھوڑ کر بھاگ جائے گا نفسا نفسی کا یہ عالم کہ اپنے سوا کسی کی فکر نہ ہو پھر اس ہنگامہ کے وقت کچھ چہروں کا ترو تازہ اور روشن ہونا جبکہ کچھ چہروں کا غبار آلود اور سیاہ ہونا منظر کو اس طرح واضح کر رہا ہے کہ جیسے سب کچھ آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہو۔

○ حسن بیان کی انمول مثال :۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے.

يٰاَيُّهَا النَاسُ ضُرِبَ مَثَل'' فَاسْتَمِعُوْا لَه'ط اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْاذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْالَه' وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لاَّ يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ○ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىّ'' عَزِيْز'' ○(الحج:٧٣،٧٤)

[اے لوگو ایک مثال بیان کی گئی ہے پس اس کو غور سے سنو. بے شک وہ لوگ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر وہ سب ایک مکھی کو پیدا کرنے کے لئے اکٹھے ہو جائیں تو اس کو بھی (پیدا) نہیں کر سکتے۔ اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس (چیز) کو اس سے نہیں چھڑا سکتے۔ طالب اور مطلوب (دونوں) کمزور ہیں۔انہوں نے اللہ کی اس طرح قدر نہیں کی جس طرح کہ اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا، غالب ہے]

مندرجہ بالا آیات میں ایک مثال کے ذریعے مشرکین اور ان کے جھوٹے معبودوں کی

خوب مٹی پلید کی گئی ہے۔ رب کائنات کتنے شاہانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ مشرکین اور ان کے معبود سب بودے اور ضعیف ہیں۔ ساتھ یہ بھی بتادیا گیا کہ انسانوں نے اللہ تعالیٰ کی اتنی قدر نہیں کی جتنی کرنی چاہیے تھی۔

○ حسن موعظت کی مثال :

ارشادباری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ ، يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○(النحل:۹۰)

[بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے اور رشتہ داروں کو دینے کا۔ اور منع کرتا ہے بے حیائی اور برے کاموں اور سرکشی سے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو]

اس ایک آیت میں انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کے سنہری اصول بتادیئے گئے ہیں۔ یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ ایک فقرے میں اتنا کچھ بتادیا گیا ہے جسکی تفصیل کرنے کے لئے کتاب کے کئی ابواب لکھنے پڑتے ہیں۔

○ حسن بیان کی مزید مثالیں

حسن بیان کی چند اور مثالیں درج ذیل ہیں۔ طلباء اکرام ان کے محاسن لفظی و معنوی پر غور کر کے حظ اٹھا سکتے ہیں۔

1۔ لَوْكَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلاَّ اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیا :۲۲)

[اگر ہوتے زمین وآسمان میں اور معبود سوائے اللہ کے تو دونوں خراب ہو جاتے]

کسی محکمے میں دو افسر ایک اختیار رکھتے ہوں تو نظام نہیں چل سکتا اسی طرح اگر دو الہٰ ہوتے تو نظام

کائنات کیسے چل سکتا تھا؟ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کس قدر ٹھوس دلیل ہے۔

2۔ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الملک: ۱۳۔۱۴)

[اور تم چھپا کر کہو اپنی بات یا کھول کر وہ خوب جانتا ہے سینوں کی باتوں کو۔ کیا وہ نہ جانے جس نے بنا یا اور وہی باریک بین خبر رکھنے والا ہے] اس آیت کریمہ میں انسان کو سمجھایا کہ ہر بات سوچ سمجھ کر کرو تم سمجھتے ہو کہ ہماری سرگوشیوں کو کوئی نہیں سنتا اپنی سازش کو پوشیدہ رکھنا کامیابی سمجھتے ہو یاد رکھو اللہ تعالیٰ تو دلوں کے بھید سے بھی واقف ہے۔ اس دلیل کے بعد دوسرے انداز میں سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ تو خالق ہے اور خالق مخلوق سے کس طرح بے خبر رہ سکتا ہے۔

3۔ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَاللّٰهِ بَاقٍ (النحل: ۹۶)

[جو تمہارے پاس ہے وہ فانی ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے]

دنیا مٹی گارے سے بنی اور فنا ہونے والی ہے جبکہ جنت سونے چاندی سے بنی اور باقی رہنے والی ہے زورِ بیان کے کیا کہنے۔

4۔ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ○ وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خَاشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ (شوریٰ: ۴۴، ۴۵)

[اور تو دیکھے گا ظالموں کو جب وہ عذاب دیکھیں گے کہیں گے کیا کوئی واپسی کا راستہ ہے اور تو دیکھے گا ان کو، آگ کے سامنے لائے جائیں گے ذلت سے آنکھیں جھکاتے ہوں گے دیکھتے ہوں گے چھپی نگاہ سے]

5۔ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِىْ اٰمِنًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ

اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ" (حم السجدہ: ٤٠)

[آیا جو ڈالا جائے گا آگ میں وہ بہتر ہے یا جو آئے گا امن سے قیامت کے دن، کرو جو چاہتے ہو بے شک جو تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے]

6۔ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ" يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْبِ اللّٰهِ (الزمر: ٥٦)

[کہنے لگے کوئی، ہائے افسوس اس بات پر کہ میں کوتاہی کرتا رہا اللہ کی طرف

7...اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ" اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ○(الزخرف: ٦٧)

[سب دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہونگے سوائے متقی لوگوں کے]

8۔ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام: ٢٨)

[اور اگر بھیجے جائیں تو پھر بھی وہی کام کریں گے جس سے روکے گئے تھے]

اس میں اس بات کو بیان کر دیا کہ یہ لوگ حق سے اتنے دور کہ ان کی فطرت اور طبیعت ہی میں حق سے دوری ہے اگر حق کو قبول کرنے والے ہوتے تو دنیا میں مختلف نشانیوں کو دیکھ کر مان لیتے

9. وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ

(الزخرف: ٣٩)

[اور تمہیں ہرگز نفع نہ دے گا جب تم ظلم کر چکے کہ تم عذاب میں باہم شریک ہو]

10۔هُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا. فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا (الفرقان: ٥٤)

[وہی ہے جس نے بنایا پانی سے انسان کو اور بنایا اس کیلئے نسب اور سسرال اور تیرا رب سب کچھ کر سکتا ہے]

مندرجہ بالا مثالوں سے ثابت ہوا کہ قرآنِ مجید کی فصاحت وبلاغت کا میدان لامحدود ہے۔ تاہم

یہ نقطہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ بعض ایسے امور بھی ہیں جو ظاہراً فصاحت میں کمی کا باعث بن سکتے تھے مگر قرآن مجید کے راستے میں وہ بھی رکاوٹ نہ بن سکے۔

امور مانع فصاحت :

1۔ سب سے اول درجے پر التزام صدق ہے۔ سچی بات کو جھوٹ کی آمیزش کئے بغیر جچے تلے سنجیدہ سانچے میں ڈھلے ہوئے الفاظ میں بیان کرنا بہت مشکل کام ہے۔ شعراء کا کہنا ہے کہ اگر جھوٹ چھوڑ دیا جائے تو کلام میں شیرینی پیدا کرنی ممکن نہیں رہتی۔ مضمون روکھا پھیکا رہ جاتا ہے۔ کلام میں چاشنی پیدا کرنے کیلئے التباس حق و باطل کرنا پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لبیدؓ ابن ربیعہ اور حسانؓ بن ثابت جیسے بلند پایہ شعراء جب مسلمان ہو گئے اور سچ بولنے کی پابندی کرنے لگے تو ان کا کلام فصاحت و بلاغت کے درجے سے گر گیا۔ تخیل کی نزاکت مضامین کی روانی اور خیالات کی بلند پروازی کا تقاضہ یہ ہے کہ مبالغے سے کام لیا جائے۔ اس کے بغیر مضمون دل فریب اور کلام چٹپٹا نہیں بن سکتا۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ صداقت کا التزام رکھتے ہوئے خشک مضامین میں بھی لطف اور مٹھاس پیدا کر دی گئی ہے۔ کڑوی سے کڑوی بات کو میٹھے میٹھے انداز میں بیان کر دینا قرآن ہی کی شان ہے۔ قرآن مجید پند و نصائح، زجر و توبیخ اور اوامر و نواہی کے مضامین سے پر ہے۔ ایسے غیر دلچسپ مضامین میں قرآن مجید نے وہ سوز و گداز بھر دیا ہے جو دو کانوں کے پردوں سے قلب میں گھس جاتا ہے اور سچ کی طاقت سننے والے کو مبہوت کر دیتی ہے۔ اسی قوت جاذبہ کا اثر تھا کہ مشرکین مکہ دن کی روشنی میں قرآن مجید کی مخالفت کرنے کے باوجود رات کی تاریکی میں چھپ چھپ کر قرآن سنتے تھے اور کہتے تھے۔

اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝ (مدثر : ع ۱)

[یہ قرآن ایک پر اثر جادو ہے]

2۔ قرآن مجید کے مضامین عقائد و اعمال و معاملات ہیں۔ قرآن مجید نے جس عقیدہ اور قانون

شرح کو اتنا واضح اور مکمل صورت میں پیش کیا کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں رہنے دی۔ ہر قانون کو قطعی اور ہر فیصلے کو ناطق انداز میں بیان کیا۔ ان ابواب و فصول پر مشتمل کلام میں علوم معانی وبدیع وبیان کے رنگ بھر کر قوس قزح کی مانند خوبصورت بنا دینا قرآن مجید ہی کا اعجاز ہے۔

3۔ قرآن مجید میں اکثر باتوں کو تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ایک بات کو مکرر بیان کیا جائے تو دونوں میں فصاحت وبلاغت کی یکسانیت کو برقرار رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ قرآن مجید کا اعجاز دیکھئے کہ ایک ہی بات کو متعدد بار بیان کیا مگر ہر بار ایک نئے حسن وخوبی کے ساتھ کہ پڑھنے والا ہر دفعہ نیا لطف اور نیا مزا حاصل کرتا ہے۔

4۔ عربی زبان میں روزمرہ کے دنیاوی کاروبار سے متعلق فصیح و بلیغ الفاظ و فقرات کا ذخیرہ بہت وسیع تھا مگر مبدا و معاد کے بارے میں دائرہ بہت محدود تھا۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ مبدا، معاش و معاد سے متعلقہ مضامین کو موزوں اور چست الفاظ میں بیان کیا اور فصاحت وبلاغت کے دریا بہا دیئے۔ یہ اس بات کا ٹھوس ثبوت ہے کہ یہ کلام کسی انسان کا نہیں ہے۔

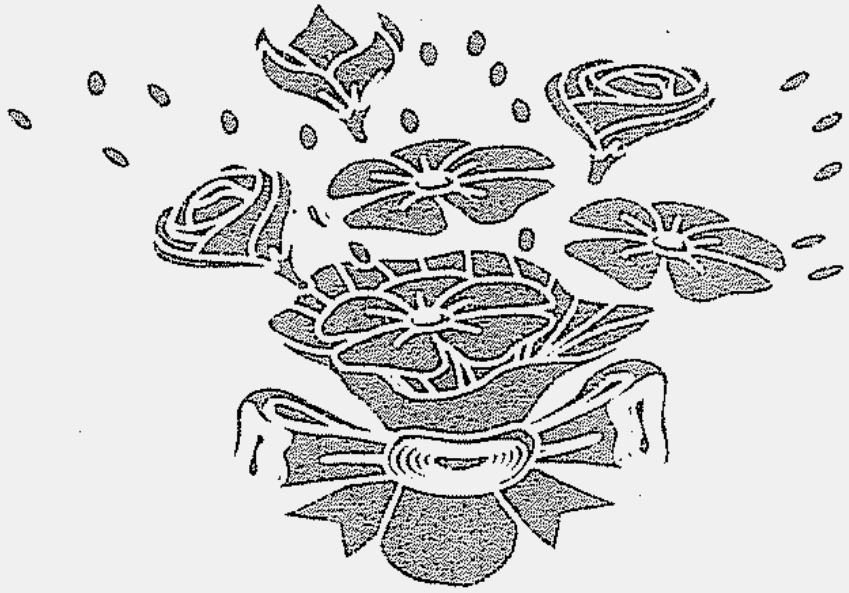

باب نمبر 5

عجائبات القرآن

قرآن مجید کے ادبی اسرار ورموز کو سمجھنے کے لئے درج ذیل تین علوم کا جاننا ضروری ہے۔

1۔ علم معانی :۔ لفظ معانی معنی کی جمع ہے۔ اس کے لغوی معنی مقصود و مراد کے ہوتے ہیں۔ اپنے خیالات کو الفاظ کے قالب میں ڈھال دینا بہت آسان ہے۔ لیکن اپنے کلام کو حال و مقام کے اس طرح مطابق بنا دینا کہ مدعائے کلام ادا ہو جائے بہت مشکل ہے اور اس کو علم معانی کہتے ہیں۔

2۔ علم بیان :۔ بیان کے لغوی معنی کھولنے اور واضح کرنے کے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں اس علم کو کہتے ہیں کہ جس سے کلام دل نشیں ہو جائے۔ اس کے معنی و مطلب صاف اور واضح ہو جائیں۔

3۔ علم بدیع :۔ علم بدیع اس علم کو کہتے ہیں جس سے کلام کو مزین کرنے کے طریقے اور اس میں حسن و خوبی پیدا کرنے کے قاعدے معلوم ہو جائیں۔ علم معانی و بیان کو فصاحت و بلاغت بھی کہتے ہیں اس کا تعلق داخل سے ہے جبکہ علم بدیع کا تعلق تحسین و تزئین خارجی سے ہے۔ جس کلام میں فصاحت و بلاغت موجود ہے اس کی مثال اس حسینہ کی سی ہے جو حسن و جمال میں اپنی مثال آپ ہے۔ اگر کلام میں علم بدیع بھی موجود ہے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے اس حسینہ کو خوبصورت زیورات و لباس پہنا کر دلہن بنا دیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی ہر ہر آیت سجی سجائی خوبصورت اور خوب سیرت دلہن کی مانند ہے۔ علمائے امت قیامت تک اس کے حسن و جمال کی تعریفیں کرتے رہیں گے۔

درج ذیل میں علم معانی وبیان وبدیع کی روشنی میں چند آیات کے داخلی وخارجی محاسن مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں تاکہ علوم عربیہ کے طلباء عجائبات قرآن کا اندازہ لگا سکیں۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

1۔ ارشادباری تعالیٰ ہے

وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ٥ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ٥ (الليل: ١۔٢)

(قسم ہے رات کی کہ جب وہ چھپالے اور قسم ہے دن کی جب وہ ظاہر کردے)

ان آیات میں دو بڑی صنعتیں ہیں۔یغشی اور تجلی میں سجع ہے جبکہ لیل و نہار میں صنعت تضاد ہے۔

2۔ ارشادباری تعالیٰ ہے

وَالشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا ٥ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ٥ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ٥ وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ٥ (شمس: ١ تا ٤)

(قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی، اور چاند کی کہ جب اس کے پیچھے آئے۔
اور دن کی کہ جب اس کو روشن کردے اور رات کی کہ جب اس کو ڈھانپ لے)

- الفاظ : شمس ۔ ضحی ، قمر، نہار ، جل ۔ لیل۔غشی میں صنعت مراعاۃ النظیر ہے (امور متناسبہ جمع ہیں)
- الفاظ :ضحہا ،تلہا ، جلہا ، یغشہا میں سجع ہے۔
- الفاظ :شمس و قمر اور لیل و نہار میں صنعت مطابقت ہے پس اس کلام میں تین بڑی صنعتیں پائی گئیں۔

3۔ ارشادباری تعالیٰ ہے

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِo وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ (عبس: ۳٤..)

(جس دن آدمی بھائی، ماں، باپ، بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا)

- o الفاظ: مرء، ام، اب، اخ، صاحبه، بنین میں مراعاۃ ہے
- o الفاظ: اخیه اَبیه، بنیه میں سجع ملحوظ ہے
- o الفاظ اخیه اور ابیه میں صنعت تجنیس لاحق ہے
- o الفاظ اخ۔اُم وغیرہ میں تقسیم بالا ستیفاء بھی ہے۔
- o پس ان آیات میں چار بڑی صنعتیں ظاہر ہیں۔

4۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَo

(ھود آیت: ۴۴)

ترجمہ: (حکم ہوا کہ اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی ختم گیا اور جو ہونا تھا ہو گیا اور کشتی جودی پر آٹھہری اور کہدیا ظالم لوگ رحمت سے دور ہوں)

اس آیت کے تفسیری اُمور سے قطع نظر اس جگہ صرف محاسن بیان و بدیع پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مخالفین اور معاندین بھی اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی بشر بھی ایسا جامع و بلیغ کلام پیش نہیں کر سکتا طلباء کی آسانی کیلئے صرف چند محاسن کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

1. ابلعی اور اقلعی میں تجنیس لاحق ہے
2. ابلعی اور لقلعی میں رعائت سجع ہے
3. بلع اور قلع میں استعارہ ہے
4. ارض اور سماء میں صنعت مطابقت ہے

5 السماء بمعنی مطر یا سحاب مجاز مرسل ہے

6 غیض الماء میں اشارہ ہے۔ اشارہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک لفظ میں بہت سی باتیں سمٹ جائیں۔ چنانچہ لفظ غیض ایسا ہے کہ کم ہونے، نگل لینے اور پانی چوس لینے وغیرہ کے معانی میں آتا ہے یہاں اس لفظ سے بارش کا تھم جانا اور زمین کا پانی جذب کر لینا دونوں مقصود ہیں۔

7 قضی الامر میں تمثیل ہے یہ کہا گیا کہ جو ہونا تھا سو ہو گیا مقصد یہ کہ ہلاک ہونے والے ہلاک ہو گئے نجات پانے والے نجات پا گئے۔

8 استوت علی الجودی عربی زبان میں استوا کے معنی ہوتے ہیں برابر جا لگنا اس کی بجائے یہاں استقرت کا لفظ بھی استعمال ہو سکتا تھا مگر استوت نے معانی و مفہوم ادا کرنے کا حق ادا کر دیا اس میں صنعت ارداف ہے۔

9 غیض الماء استوت کی علت ہے لہذا اس میں تعلیل بھی ہے۔

10 یاارض ابلعی ماء ك ویاسماء اقلعی میں تقسیم باستیفائے اقسام بھی ہے۔

11 وقیل بعدا للقوم الظلمین میں احتراس ہے۔ فقط ظالمین ہی موجب عذاب ہوئے۔

12 اس تمام آیت کی عبارت سلیس ہے لہذا اس میں صنعت انسجام بھی ہے۔

13 اس آیت کا ہر لفظ اپنے معنی پر ہی دلالت کرتا ہے۔ لہذا اس میں صنعت ائتلاف اللفظ مع المعنی بھی ہے۔

14 اس آیت میں قصہ کو خوبی سے بیان کیا گیا ہے لہذا صنعت نسق بھی ہے۔

15 اس آیت میں امر ونھی، خبر وندا تعریف وتنکیر، اھلاك وابقا، اسعادو اشقاء وغیرہ کا ذکر سمو گیا ہے۔ لہذا اسکا ایجاز حد کمال کو پہنچا ہوا ہے۔

16 اس کی شروع آیت اس کے آخر پر دلالت کرتی ہے لہذا اس میں تسہیم بھی ہے۔

17 اس کے تمام الفاظ سہل المخارج ہیں لہذا اس میں تہذیب الفاظ بھی ہے

18 پڑھنے والے کے لئے اس کا مطلب سمجھنا مشکل نہیں لہذا اس میں حسن بیان بھی ہے

19 اس میں کنایہ بھی ہے کہ کوئی تصریح نہیں کی نہ پانی بند کیا۔ کام تمام کیا۔ کشتی کنارے لگائی

20 فواصل فقرات نہائت موزوں اور بر محل ہیں لہذا اس میں تمکین بھی ہے فقط ۱۷ الفاظ کی بیس خوبیاں تو مندرجہ بالا ہیں۔ فضلاء نے اس آیت میں ۱۵۰ محاسن بیان کئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ عظیم الشان فصاحت وبلاغت اور معانی وابداع کا بحر ناپید کنار ہے۔ پس سب تعریفیں اس اللہ رب العزت کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

معارف ولطائف :

مندرجہ بالا آیت کو علمِ بیان۔ علم معانی۔ فصاحت لفظی اور فصاحت معنوی کی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں محاسن اس آیت میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ درج ذیل میں اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

علم بیان کی رُو سے :

علم بیان کی رو سے دیکھا جائے تو اس آیت میں مجاز واستعارہ و کنایہ اور ان کی متعلقات علی وجہ الکمال موجود ہیں پروردگار عالم کے فرمان کا مقصود یہ ہے کہ "اور ہم نے یہ چاہا کہ جو پانی زمین سے اُبلا تھا اُسے جوفِ زمین میں پھر داخل کر دیا جائے چنانچہ وہ داخل ہو گیا آسمان سے جو طوفان آب جاری ہوا تھا وہ بند ہو جائے چنانچہ وہ بند ہو گیا۔ پانی کا جو سیلاب بہہ نکلا تھا وہ تھم جائے چنانچہ وہ تھم گیا۔ نوح علیہ السلام سے جو وعدہ ہم نے کیا تھا وہ پورا ہو جائے چنانچہ وہ پورا ہو گیا وعدہ یہ تھا کہ ان کی تمام قوم کو غرق آب کر دیا جائے گا۔ وہ غرق ہو گئی اور یہ بھی ہم نے چاہا تھا کہ کشتی جودی پہاڑ پر جا لگے سو وہ جا لگی اور ظالم ڈوب کر رہ گئے"

اس آیت کے ۱۷ الفاظ نے اس قدر وسیع مضمون کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔ مشیت الٰہی کو ایسے امور سے تشبیہ دی گئی ہے جس سے اس کی عظمت واقتدار کا نقشہ کھنچ جائے اور یہ اچھی

طرح واضح ہو جائے کہ آسمان وزمین اور تمام اجرام فلکی اس کے ارادے اور مشیت کے تابع ہیں۔ گویا یہ اجرام ارباب عقول ہیں اور وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا اور اس کے اشارے پر چلنا ان پر فرض ہے۔ وہ منشائے الٰہی کو ہر وقت پورا کرتے ہیں اور اس کے کمال اقتدار کا استحضار رکھتے ہیں جس بات کیلئے اس کا اشارہ ہوا وہ شے موجود کر دی اور جوں ہی اس کا حکم ہوا اس کی تعمیل کر دی اس کے حکم پر عمل کئے بغیر اور اس کا اشارہ پورا کئے بغیر نہیں رہتے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَقِيْلَ يٰا اَرْضُ ابْلَعِيْ مَاءَكِ وَيٰاسَمَآءُ اَقْلِعِيْ میں مجاز واستعارہ ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

تفصیل :اسی اصول پر اس کلام بالا کی بنیاد ہے۔

مجاز :اس آیت میں لفظ قیل بر سبیل مجاز واقع ہوا ہے جس سے مراد اسکی مشیت ہے اور یہی اس قول کا سبب ہے یہاں پر مجاز کا قرینہ خطاب بالجماد ہے یعنی یا ارض ویا سماء فرماتا ہے۔ ماء لكِ بترکیب اضافی ذکر فرمانا بھی بر سبیل مجاز ہے اس میں پانی کو زمین سے متصل ہونے میں وہی تعلق ہے جو ملک کو مالک سے ہوتا ہے۔

استعارہ :آسمان وزمین سے خطاب فرمانا بطور استعارہ بھی ہے کیونکہ ان اجرام کو ارباب عقول سے مشابہت دی گئی ہے پھر پانی جذب کر لینے کو لفظ بلع سے استعارہ کیا ہے جس کے معنی غذا کو نگل لینے کے ہیں اس میں وجہ جامع ''کسی چیز کا ایک مخفی جگہ پر چلا جانا ہے'' پانی کو غذا فرض کرنا بطریق استعارہ بالکنایہ ہے۔ پانی کو غذا سے قدرتی مشابہت ہے جس طرح پانی زمین کو قوت پہنچاتا اور کھیتوں، درختوں کو اگاتا اور بڑھاتا ہے۔ اسی طرح خوراک بھی جسم کو تقویت دیتی اور نشو نما عطا کرتی ہے۔

اس آیت میں بارش کے بند ہونے کے لئے لفظ اقلاع اختیار فرمایا جسکے معنی ہیں کام کرنے والے کا

کام چھوڑ دینا ابلغی اور اقلعی میں وجہ تشبیہ کسی کام کا معدوم ہو جانا ہے "اس میں بھی امر بطریق استعارہ ہے۔

کنایہ : ارشاد باری تعالیٰ : وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

میں یہ تصریح کہیں نہیں فرمائی گئی کہ اس پانی کو کس نے بند کیا۔ کس نے کام پورا کیا کس نے کشتی کو کنارے لگایا۔ بعداً کس نے کہا۔ اس طرح یا ارض اور یا سماء کہنے والے کا نام نہیں لیا گیا اس سے یہ کنایہ ہے کہ سب بڑی بڑی باتیں بجز ایک ایسے صاحب قدرت عظیمہ کے جو سب سے بڑا ہو اور کسی کے اختیار میں نہیں ہے اس واسطے یہ وہم ہر گز نہیں ہو سکتا کہ یا ارض و یا سماء کا کہنے والا۔ طوفان آب کو روکنے والا اور کشتی کو کنارے لگانے والا پروردگار عالم کے سوا کوئی اور ہو سکتا ہے

اس کے بعد کلام کو تعریض پر ختم فرمایا تاکہ لوگوں کو تنبیہ ہو کہ رسولوں کی تکذیب کرنے والے خود اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسولوں کی تکذیب عذاب الٰہی کا موجب ہے طوفان کا نازل ہونا اور اس ہیبت ناک عذاب کا آنا صرف ان کے مظالم کا نتیجہ ہے۔

علم معانی کی رو سے :

اب اس آیت مبارکہ کو علم معانی کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس آیت کے ہر لفظ پر غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ ان کی تقدیم و تاخیر کن مصالح کی بنا پر ہے۔

کلمات کی ترتیب کے محاسن : یا۔ اس آیت میں حروف ندا میں سے لفظ یا کو اختیار فرمایا ہے۔ ایک تو یہ لفظ کثیر الاستعمال ہے دوسرے یہ منادیٰ بعید کے لئے استعمال ہوتا ہے منادیٰ کا بعید ہونا شانِ رب العزت اور اس کی عظمت و شوکت کے عین مطابق ہے۔ جب کہ منادیٰ کی پستی و حقارت پر دال ہے۔

ارض : یہاں پر ارض کو کسرہ کے ساتھ نہیں لایا گیا تاکہ حقارت منادیٰ ظاہر ہو۔ یہاں پر یا ایتھا الا رض بھی نہیں فرمایا اختصار مد نظر تھا اس کے علاوہ اس میں تکلف تنبیہ تھا جس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ زمین کے لئے تمام الفاظ میں سے ارض کا لفظ اختیار کیا چونکہ نہائت سادہ اور سلیس لفظ ہے۔

ابلعی : اس آیت میں اختصار کی وجہ سے ابتلعی کی بجائے ابلعی کا لفظ استعمال فرمایا۔

ماء ك : اس میں لفظ ماء کو مفرد لانے کی وجہ بھی یہی ہے کہ کثرت کا اظہار اللہ کی کبریائی کے مقابلے میں ناموزوں ہے مزید برآں یہاں ابلعی کے مفعول ماء کا ذکر کر دیا گیا تاکہ عموم ابتلاع میں پہاڑ اور ٹیلے دریا اور پانی کے تمام جاندار اس میں شامل نہ ہو جائیں۔

یاسماء : زمین کے لئے لفظ ارض کی مطابقت کی وجہ سے آسمان کے لئے لفظ سماء استعمال کیا۔ سماء کا لفظ بادلوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے

و السماء یحتمل الفلك و السحاب و جهة العلو (سماء کا لفظ آسمان، بادل اور اُوپر کی سمت کے لئے مستعمل ہے)(تفسیر بیضاوی ۴۴۴)

یہاں پر زمین و آسمان کو مفرد کے صیغے میں لایا گیا کیونکہ جمع میں کثرت کا اظہار ہوتا ہے اور یہ اللہ کی کبریائی کے مقابلے میں ناموزوں تھا۔

اقلعی : اس کو ابلعی کے ساتھ تجنیس خطی حاصل ہے یہاں پر کلام کو ختم فرمادیا تاکہ حشو غیر ضروری سے احتراز ہو ورنہ تقدیر کلام یوں بنتی ہے **یا ارض ابلعی ماء ك فبلعت ویاسماء اقلعی فاقلعت**

غیض : یہاں پر غیض مشدد لانے کی بجائے غیض مخفف بوجہ اختصار لایا گیا۔

ماء : طوفان کا پانی کہنے کی بجائے فقط پانی کہنے پر اکتفا کیا گیا۔

قضي الامر : اتنا فرمایا کہ بات پوری ہو گئی اگر تقدیر کلام کو دیکھا جائے تو یوں کہنا چاہیے کہ وہ وعدہ جو نوحؑ سے تباہ کرنے کے متعلق کیا گیا تھا وہ پورا ہو گیا۔ مگر اختصار کو پسند کیا گیا۔

واستوت علي الجودی : یہاں پر واستوت بصیغہ معروف استعمال ہو رہا ہے۔ چونکہ قول سابق میں تجری بهم فی موج میں بھی کشتی فاعل تھی فعل معروف آیا تھا اس کے علاوہ ہر جگہ مجہول کا صیغہ اختصار کی وجہ سے لائے مثلاً قیل غیض

بعد اللقوم : یہاں پر یبعد کی بجائے بعد کا لفظ اختصار کی وجہ سے لایا گیا۔ پھر اس میں تاکید بھی ہے۔ بعداً کے بعد لام کے آنے میں ایک فایدہ یہ بھی ہے کہ اس سے ظالمین پھٹکار کے مستحق ہوئے۔

الظلمین : ظلم کو مطلق لانے میں یہ فائدہ ہے کہ اس میں ظلم بر نفس سمیت تمام اقسام ظلم شامل ہو گئیں۔ یہ بھی واضح ہو گیا کہ رسولوں کی تکذیب نہایت قبیح امر ہے۔

جملوں کی ترتیب کے محاسن

ا۔ اس آیت مبارکہ میں ندا کو امر پر مقدم کیا گیا ہے چنانچہ یہ نہیں کہا گیا

ابلعی یا ارض واقلعی یا سماء

اس میں حکمت یہ تھی کہ پروردگار عالم نے باقتضائے امر لازمی کلام کو جاری فرمایا اور وہ امر لازمی یہ ہے کہ اولاً مامور حقیقی کو تنبیہ فرمائی جائے تاکہ منادیٰ کے ذہن میں امر ماموربہ خوب جاگزیں ہو جائے۔ یہ پیرایہ بیان بطور ترشیح کے ہے۔

۲۔ ارض کو سماء پر مقدم کرنے کی وجہ یہ تھی کہ طوفان پہلے زمین سے ہی شروع ہوا تھا لہذا زمین کی حیثیت اس قصہ میں اصل کی ہوئی اور اصل کا تقدم ہی زیادہ مناسب ہوتا ہے۔

۳۔ اس کے بعد غیض الماء کا تذکرہ کیا چونکہ یہ بھی پانی کے قصے کے ساتھ متصل ہے۔

تقدیر کلام : تقدیر کلام یوں ہوئی قیل یاارض ابلعی ماء ك فبلعت ماوھا ویا سماء اقلعی عن ارسال الماء فاقلعت عن ارساله وغیض الماء النازل ففاض

٤۔ اس کے بعد مقصود کلام یعنی قضی الا مر کو لایا گیا یعنی کفار کے ہلاک ہونے اور قوم نوح اور ان کے ہمراہیوں کو نجات دینے کا وعدہ پورا ہو گیا۔

٥۔ پھر آخر میں واستوت علی الجودی کو لایا گیا یعنی کشتی جودی پر جالگی۔

٦۔ آخر میں ظالموں پر پھٹکار کے الفاظ سے نتیجہ نکال دیا گیا اس تمام تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ آیت مبارکہ کا ایک ایک کلمہ اس طرح پرو دیا گیا ہے جس طرح ہیرے موتی کو ایک مالا میں پرو دیا جاتا ہے پس یہ کلام الٰہی محاسن بلاغت کا انمول نمونہ ہے۔

فصاحت معنوی : اس آیت مبارکہ میں نظم معانی انتہائی لطیف ہے۔ گو کہ حد درجہ اختصار سے کام لیا گیا ہے مگر اس کے باوجود مطلب کے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ بلکہ آیت مبارکہ کے سنتے ہی یوں محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ معانی پر اور معانی الفاظ پر سبقت کرتے ہیں ۔ اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ الفاظ مانوس اور معانی ظاہر ہیں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ کان اس لفظ کو سنیں اور اس کا مطلب فوراً دل نشیں نہ ہو جائے۔

فصاحت لفظی : اس آیت مبارکہ کے الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام کے تمام الفاظ روزمرہ کے استعمال میں آتے ہیں سب الفاظ چست، مانوس اور اصول و قواعد کے مطابق ہیں۔ شیریں اور دل پسند ہیں غیر مانوسیت کا شائبہ بھی نہیں روانی اور سلاست میں پانی کی مانند۔ لطافت و نظامت میں نسیم صبح کی مانند اور لذت و شرینی میں خالص شہد کی مانند ہے۔ قرآن مجید کی بلندی شان پر قربان جائیں کہ فقط سترہ الفاظ میں لطائف و معارف کے دریا بہا دیئے۔ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ایک آیت کو علم بیان۔ علم معانی فصاحت لفظی اور فصاحت معنوی کی کسوٹی پر پرکھا گیا تو کندن کی طرح چمکتی ہوئی نظر آئی۔ یہ قرآنی اعجاز کی بین دلیل ہے کہ ایک کتاب تمام

علوم پر حاوی ہے۔ جس علم کو سامنے رکھا جائے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا موضوع ہی یہی علم ہے۔ پس سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

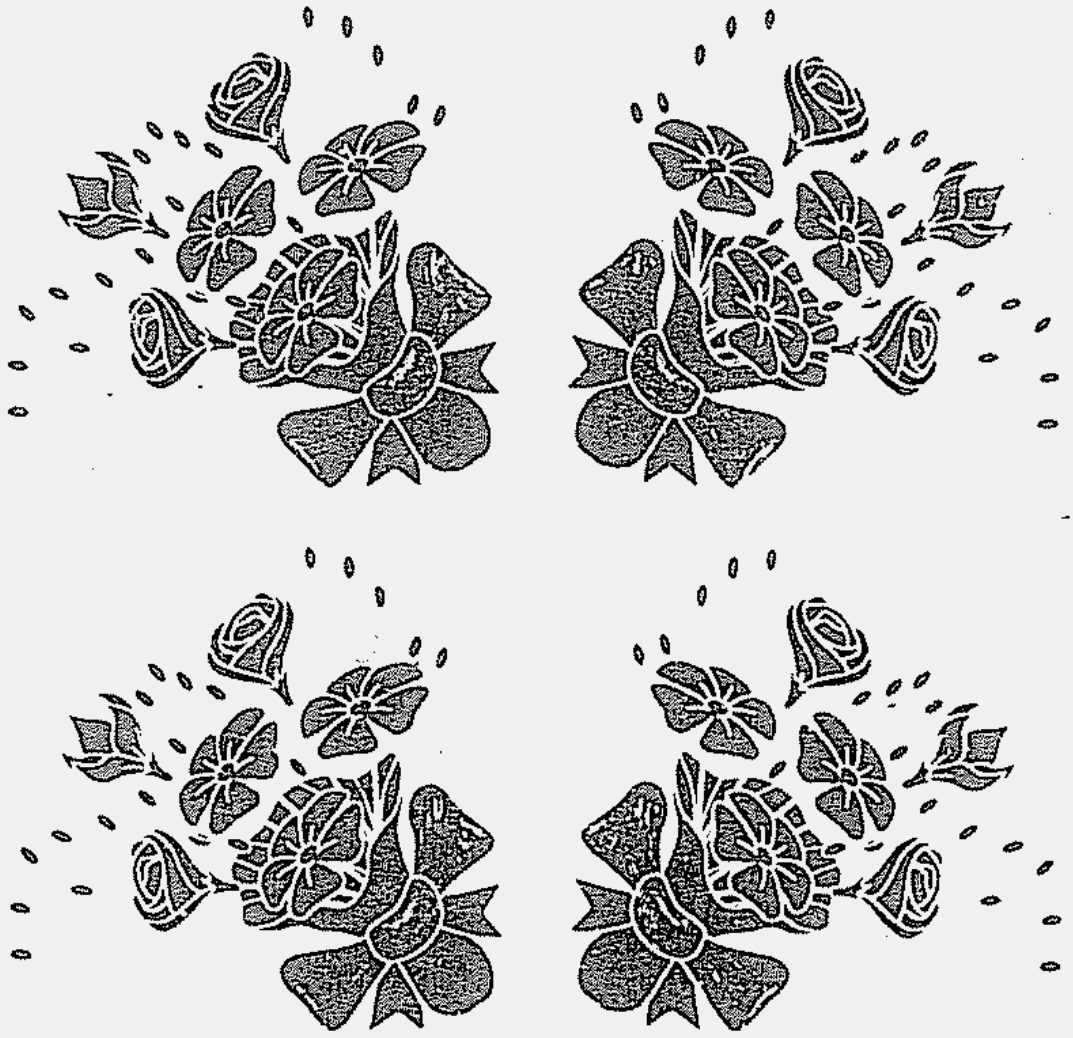

باب نمبر 6

قرآن مجید اور علم عروض

شعر کی حقیقت وماہیت :

اصطلاح میں شعر ایسے موزوں کلام کو کہتے ہیں جو متکلم سے قصداً ظاہر ہو۔ خلیل بن احمد اس فن کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے ردیف قافیہ کی رعائت کیلئے پندرہ بحریں ترتیب دیں۔ شکسپیئر نے انگریزی زبان میں بلینک ورس کی بنیاد ڈالی جس میں نہ قافیئے کی رعائت نہ ردیف کا جھگڑا اور نہ ہی وزن کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اردو زبان کے شعرا نے بھی اسی بنا پر "آزاد شاعری" کو اپنایا۔ بنگال کے مشہور شاعر ٹیگور کے اشعار کا رنگ بھی یہی ہے۔ مولانا حالی نے اپنی کتاب "مقدمہ شعر وشاعری" میں واضح کیا ہے کہ شاعری تخیلات کو محسوسات کا جامہ پہنانے کا دوسرا نام ہے اسی کو جذبات کی مصوری کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں شعراء کے متعلق کہا گیا ہے

"وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ o اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ o وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ" (الشعرا ع ۱۱)

[شعراء کی بے راہ پیروی کرتے ہیں۔ تم انہیں دیکھتے کہ یہ لوگ (کس طرح) ہر میدان (تخیل) میں (تلاش مضمون کیلئے کس طرح ٹکریں مارتے) یعنی حیران پھرتے ہیں اور ان کا قول فعل کے خلاف ہوتا ہے]

شعراء کی افسانہ طرازیاں۔ رزم بزم کے حالات۔ جذبات کی عکس بندی وغیرہ اکثر خیالی باتیں ہوتی ہیں سچی باتیں کم ہوتی ہیں۔ شعراء کے نزدیک حسن تخیل یہ ہے کہ جھوٹی سچی خیالی

باتیں اس طرح بیان کر دی جائیں کہ سامعین لطف اندوز ہوں۔ حسن تخیل اور حسن بیان میں بہت فرق ہے حسن تخیل من گھڑت باتوں کی مصوری کا دوسرا نام ہے۔ جبکہ حسن بیان امور واقعی کو احسن طریقے سے بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ صاحب بیان القرآن نے شعر اور قرآن میں یہی فرق بتایا ہے کہ وہ متخیل بغیر متحقق ہے اور یہ محقق غیر متخیل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ" (یٰسین ع ۵)

[اپنے پیغمبر کو ہم نے شاعری نہیں سکھائی نہ ہی وہ ان کے شایان شان ہے]

چونکہ خیالی باتوں کی مصوری منصب نبوت کے خلاف تھی اس لئے ان کو شاعری نہ سکھائی گئی ان کی باتیں تو عین حقائق تھیں۔ خیالات باطل کیلئے وہاں رسائی ہی ممکن نہ تھی۔ اسی وجہ سے جو شعراء قرآن وحدیث کے حقائق کو شعر کے سانچے میں ڈھالیں اور اخلاق عظیمہ کی تعلیم دیں ان کو "الا" کے لفظ کے ذریعے بے راہ روی سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے۔

قرآن مجید کا شاعری پر تفوق:

شاعری میں اگرچہ خرابیاں بہت زیدہ ہیں تاہم ایک خوبی یہ ہے کہ اس سے کلام کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ بعض اوقات شعر میں الفاظ کی بندش اس قدر مرغوب طبع ہوتی ہے کہ وہ کلام دل پسند بن جاتا ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات اہم مہمات کو سر کرنے میں شاعری کو بڑا دخل حاصل رہا ہے۔ ممالک کا فتح کرلینا اور مردہ اقوام کے دلوں میں زندگی کی روح پھونک دینا شاعری کا ادنیٰ کرشمہ رہا ہے۔ دور حاضر میں علامہ محمد اقبال کی شاعری تعمیر قوم کی بہترین مثال ہے جبکہ فیض احمد فیض کی شاعری بے راہ روی کی بدترین مثال ہے۔ جذب کی جو قوت شعر میں ہے وہ نثر میں نہیں ہوتی تاہم دنیا بھر کے شعراء اور نثر نگاروں کا کلام انسانی قلوب پر اتنا اثر انداز نہیں ہو سکتا جتنا کہ قرآن مجید کی ایک آیت اثر کر جاتی ہے۔ اگر شاعری کو اوزان و قوافی کی قید سے آزاد کر دیا جائے اور حقیقت پسندی کی قید لگا دی جائے تو ہر شخص تسلیم کرے گا کہ

قرآن مجید شاعری سے بھرا ہوا ہے۔

قرآن مجید کی بہت سی آیات ایسی ہیں کہ انہیں مروجہ بحور پر منطبق کریں تو پورا شعر بن جاتا ہے مگر اسے ہرگز ہرگز شعر نہیں کہا جاسکتا کیونکہ شعر میں تخیلات ہوتے ہیں جبکہ قرآن مجید میں حقائق ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک ٹن مٹی اور ایک ٹن سونا وزن میں برابر ہوتے ہیں لیکن قیمت میں مٹی کو سونے سے کوئی نسبت نہیں اسی طرح قرآنی آیات اور شعر، بحر کے وزن میں برابر ہو سکتے ہیں مگر ایک مٹی ہے اور دوسرا سونا ہے۔ فرق صاف ظاہر ہے درج ذیل میں چند اوزان بحور متداولہ کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

1 آسان بحر کی مثالیں

ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ	ثُمَّ اَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ تَقْتُلُوْنَ
فاعلاتن فاعلاتن فاعلات	فاعلاتن فاعلاتن فاعلات
مُسْلِمَاتٍ مُؤمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ	تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ
فاعلات فاعلات فاعلات	فاعلات فاعلات فاعلات

2 بحر رمل مجرد و مقصور :

اَلَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ	وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ
فاعلاتن فعلاتن	فعلاتن . فعلاتن

3 بحر رمل وافی مجنون

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا	فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا
مفعول فاعلاتن	مفعول فاعلاتن

4 بحر مضارع اضرب سالم

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا	وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا

وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا

عَلٰی هٰذَا الْقِیَاسِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا

وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا

5 شعراء کا دستور ہے کہ بعض اشعار کو بار بار قصیدہ یا نظم میں لاتے ہیں جیسے سورہ رحمٰن میں انعامات الٰہیہ یاد دلانے والی آیت "فبای آلاء ربکما تکذبٰن" [اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے] یا سورہ المرسلت میں تکذیب کرنے والوں کے انجام کے متعلق آیت ہے "وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ" (مرسلت : ۱۵)

[اس روز جھٹلانے والوں کیلئے بڑی خرابی ہوگی]

6 مندرجہ بالا مثالوں کے باوجود قرآن مجید میں ایک شعر بھی نہیں۔ کیونکہ شعر کے معنی خیالی باتوں کے ہیں جبکہ قرآن مجید صداقتوں اور حقیقتوں کا مجموعہ ہے۔ اب حاصل کلام یہ ہوا کہ جو موزوں کلام اپنی ارادہ و قصد سے کہا جائے وہ شعر ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے القا ہو وہ شعر نہیں اسی لئے قرآن مجید کو شعر نہیں کہا جاسکتا کہ نبی ﷺ نے اپنی مرضی سے کوئی آیت نہیں بنائی. ارشاد باری تعالیٰ ہے

"وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی" ○ (النجم : ۳، ۴)

[وہ اپنی نفس کی خواہش سے نہیں بولتے ان کا قول حی ہے جو نازل ہوئی]

7 سچ بات تو یہ ہے کہ جب خود صاحب وحی حضرت محمد ﷺ کے اقوال واحادیث کو فصاحت وبلاغت میں قرآن مجید سے اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ ذات نبی ﷺ کو ذات اعلیٰ جل جلالہ سے تو پھر اس کے بعد عام لوگوں کی شعر وشاعری سے کلام الٰہی سے بھلا کیا نسبت ہو سکتی ہے

؎ چہ نسبت خاک را باعالم پاک

آیات قرآن مجید

اور اشعار رزمیہ امرء القیس کا تقابلی جائزہ

امرء القیس عرب کا فصیح ترین شاعر مانا جاتا تھا۔ رزم و بزم کی مصوری میں اس کے اشعار کی پرستش ہوتی تھی۔ اسی لئے اسے اپنے وقت کا مافوق العادت انسان خیال کیا جاتا تھا۔ اس کے رزمیہ کلام میں سے اعلیٰ اشعار گھوڑے کی تعریف کے بارے میں ہیں۔

اشعار امرء القیس

۱. مکر مفر مقبل مدبر معا — کجملود صخر خطه السيل من عل

۲. کمیت یزل اللبد عن حال متنه — کما زلت الصفواء بالمتنزل

۳. علی الزبل جیاش کان اهتزامه — اذا جاش فيه حميه غلى مرجل

٤. مسح اذا ما السابحات على الونى — آثرن الغبار با لكديد المر كل

٥. یزل الغلام الخف عن صهراته — ویلوی با ثواب العنيف المثقل

[ترجمہ] ا۔ وہ گھوڑا حملہ کرنے والا۔ بھاگنے والا۔ آگے آنے والا۔ مڑ جانے والا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک پتھر کو سیل نے نیچے سے اوپر کی طرف لڑھکا دیا ہے۔

۲۔ وہ کمیت ہے اور زین کو اپنی پیٹھ پر سے اس طرح پھسلا دیتا ہے جیسے چکنا پتھر بارش کو

۳۔ باوجود لاغر ہونے کے ایسا جوش مارتا ہے کہ اس کے چلنے کی آواز۔ گرمی نشاط کے جوش میں دیگ کے ابلنے کی سی آواز معلوم ہوتی ہے۔

۴۔ جس وقت تیز رفتار گھوڑے تھک کر پامال شدہ زمین پر غبار اٹھانے لگتے ہیں۔ وہ گھوڑا بدستور بارش کی مانند تیز چلتا ہے۔

۵۔ ہلکے پھلکے لڑکوں کو تو وہ اپنی پیٹھ سے اچھال دیتا ہے اور بھاری بھر کم تجربہ کار شہسواروں

کے کپڑے گرا دیتا ہے۔

ان پانچ اشعار میں امرء القیس نے گھوڑے کی سرعت رفتاری۔ جرأت وہمت اور تن آوری کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ کلام کی فصاحت وبلاغت دیکھئے کہ ہر بات کو استعارات و تشبیہات سے ادا کیا ہے تاکہ آنکھوں کے سامنے نقشہ کھچ جائے اس کے مقابلے میں قرآن مجید کی صرف ایک آیت نقل کی جاتی ہے۔

آیات قرآن مجید

"وَالْعٰدِیَاتِ ضَبْحًا o فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا o. فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا oفَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا oفَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًاo "

(العٰدیٰت: ۱ تا ۵)

ترجمہ [قسم ہے دوڑتے ہانپتے گھوڑوں کی۔ جو ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں۔ پھر صبح کے وقت دھاوا بول دیتے ہیں۔ پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں۔ پھر اس وقت جم میں گھس جاتے ہیں]

تقابلی جائزہ

اشعار امرء القیس	آیات قرآن مجید
1۔ شاعر نے پانچ اشعار میں 51 الفاظ استعمال کئے ہیں۔	1۔ ان آیات میں 12 الفاظ استعمال ہوئے۔
2۔ شاعر کا مقصد فقط گھوڑے کی تعریف تھی	2۔ ان آیات میں گھوڑے کی تعریف ضمنی طور پر کی گئی ہے۔
3۔ شاعر نے ایک گھوڑے کی تخیلاتی صفات کی تعریف کی ہے۔	3۔ ان آیات میں گھوڑوں کی صفات واقعی کو بیان کیا گیا ہے۔

اشعار امرءالقیس

4۔شاعر نے سرعت رفتار کے ساتھ سرعت فرار کا بھی تذکرہ کیا ہے حالانکہ یہ عیب ہے صورت ادبار میں تو بھیڑ بکریوں کو بھی سرعت رفتار میں آجاتی ہے۔

5۔گھوڑے کی پیش قدمی کو لڑھکتے پتھر سے تشبیہ دینا کوئی اچھی تشبیہ نہیں ہے۔

6۔دوسرے شعر میں گھوڑے کے موٹاپے کا تذکرہ ہے کہ زین بھی پھسل جاتی ہے ۔تیسرے شعر میں گھوڑے کی لاغری کا تذکرہ ہے۔صاف ظاہر ہے کہ لاغر گھوڑے کی پیٹھ سے زین پھسل ہی نہیں سکتی ۔پس مضمون میں اختلاف ہے گویا تعریف جھوٹ پر مبنی ہے۔

7۔شاعر نے گھوڑے کی چلنے کی آواز کو دیگ کی آواز سے تشبیہ دی ہے جس سے بیان کا حق ادا نہیں ہوتا غور کرنے سے بھی بات سمجھ نہیں آتی۔

آیات قرآن مجید

4۔ان آیات میں گھوڑے کی سرعت رفتار کا تذکرہ ہے۔ سرعت فرار کا تذکرہ نہیں اس لئے کہ پیٹھ پھیر کر بھاگنا انتہائی بزدلی کا کام ہے۔

5۔ تیز رفتاری کو ٹاپوں سے آگ نکالنے کے الفاظ سے واضح کرنا بہت لطیف استعارہ ہے۔

6۔آیات کے مضمون میں کوئی اختلاف نہیں ہے قرآن مجید ہر جھوٹ اور عیب سے پاک ہے۔

7۔آیات میں گھوڑوں کے ہانپنے کا تذکرہ ہے ۔یہ فہم انسان سے کتنا قریب ہے کہ ایک تصویر نظر کے سامنے پھر جاتی ہے۔

اشعار امرء القیس

8۔ گھوڑے کا پامال شدہ زمین سے غبار اڑانا کون سی حیرت کی بات ہے۔ پامال شدہ زمین پر تو گھوڑا اچل پڑے تو بھی گرد اڑ جاتی ہے۔

9۔ گھوڑے کی سرعت رفتاری کو شاعر نے اس طرح بیان کیا کہ نوجوان لڑکوں کو پیٹھ سے گرا دیتا ہے شہسواروں کے کپڑے پھینک دیتا ہے حالانکہ یہ سب کچھ موزوں خرامی کے خلاف ہے۔ سامان پھینک کر چل دینا کون سی خوبی ہے۔

10۔ شاعر نے جھوٹ بولا۔ من گھڑت باتیں کیں کچھ بھی اپنا مقصد پورا نہ کر سکا۔

آیات قرآن مجید

8۔ صبح کے وقت شبنم کی وجہ سے گرد و غبار جما ہوتا ہے اس وقت غبار اڑانا تیز رفتاری کی بین دلیل ہے۔

9۔ گھوڑوں کی جرأت اور وفا داری کو اس طرح بیان کیا کہ دشمن کے ہجوم میں گھس جاتے ہیں سوچنے کی بات ہے کہ منزل مقصود پر جلدی پہنچانا ہی صفت ہوتی ہے۔ اور اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر پیش قدمی کرنا ہی جرأت کہلاتی ہے۔ ان الفاظ نے گھوڑوں کی تعریف کا حق ادا کر دیا

10۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔ سچی باتیں کیں اور مدعائے بیان کا ایک پہلو بھی باقی نہ رہا۔

نتیجہ قرآن مجید میں صرف 12 الفاظ میں جو مضمون سمیٹ دیا گیا ہے وقت کا عظیم ترین شاعر 51 الفاظ میں بھی وہ مضمون بیان نہ کر سکا۔ اس مقام پر قرآن مجید کے اعجاز کو دیکھ کر ہزار بار قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ دل سے آواز نکلتی ہے کہ "هذا كلام ربى . هذا كلام ربى"

[یہ میرے پروردگار کا کلام ہے۔ یہ میرے پروردگار کا کلام ہے]

لیں تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے

آیات قرآن مجید

اور اشعار بزمیہ امرء القیس کا تقابلی جائزہ

علمائے ادب کا اتفاق ہے کہ امرء القیس جہاں رزم کی شاعری کا مصور سمجھا جاتا تھا وہاں بزم کا نقشہ سجانے میں بھی ید طولیٰ رکھتا تھا۔ اس نے اپنی محبوبہ کی تعریف میں درج ذیل اشعار لکھے جو اپنے وقت میں فصاحت وبلاغت میں مشہور تھے۔

اشعار امرء القیس

۱. مهفهفة بيضاء غير مفاضة ترائبها مصقولة كالسجنجل

۲. كبكر المقاناة البياض بصفر غذا ها نمير الماء غير محلل

۳. تصد و تبدی عن اسيل و تتقی بناظرة من وحش وجرة مطفل

ترجمہ

1۔ وہ محبوبہ نازک کمر سفید بدن اور چسپیدہ شکم ہے جسکا سینہ آئینے کی طرح شفاف ہے۔

2۔ وہ ایک زردی مائل سفید رنگ صدف کا گوہر یکتا ہے جس صدف کو آب صاف وغیر مکدر نے پرورش کیا ہے۔

3۔ وہ مجھ سے اعراض کرتی ہے فقط صورت دکھاتی ہے لیکن اس کی آنکھ ہرنی کی مانند ہے جو مجھ پر حیرت کا پردہ ڈال دیتی ہے۔

4۔ امرء القیس کے پہلے اور دوسرے اشعار میں حسن اعضاء کا بیان ہے مگر تیسرے شعر میں بالخصوص آنکھوں کی خوبصورتی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

آیات قرآن مجید

قرآن مجید کی ایک آیت کے چند الفاظ پر غور کیجئے جس میں انہی صفات کا ذکر ہے

حُوْرٌ عِيْنٌ ٥ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ٥ واقعہ: ۲۲، ۲۳)

[(مومنین کیلئے) گوری گوری خوشنما بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی جیسے پوشیدہ رکھے ہوئے موتی]

تشریح و توضیح

1۔ لفظ حور ماخوذ ہے حورۃ اور حیرت سے جس کے درج ذیل معنی نکلتے ہیں۔

2۔ غایت درجے کی سفیدی، عربی زبان میں گورے بدن والی عورتوں کو حواریات کہا جاتا ہے۔ جیسے اردو زبان میں خوبصورت لڑکی کا نام "گوری" رکھ دیا جاتا ہے۔

3۔ حیرت میں ڈال دینے والی۔ جس عورت کا سراپا اتنا دلکش ہو، جاذب نظر ہو، پرکشش ہو کہ دیکھنے والا حیران ہو کر دیکھتا رہے۔ قرآن مجید میں فرمایا

"وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ" (احزاب: ۵۲) تمہیں ان کا حسن و جمال متعجب کر دے۔

4۔ بہت زیادہ کالی۔ انسانوں کی طبائع مختلف ہوتی ہیں افریقہ کے بعض قبائل میں جو لڑکی زیادہ کالی ہو اسے اتنا ہی زیادہ ملکہ حسن سمجھا جاتا ہے وہ زبان حال سے کہتے ہیں "گوریاں نوں پراں کرو"۔ پس حور کا لفظ ایسا ہے کہ انسان اپنی محبوبہ گوری ہو یا کالی اس پر لاگو کر سکتا ہے سنا ہے کہ مجنوں کو لیلیٰ سے افسانوی پیار تھا۔ لیلیٰ اتنی کالی تھی کہ والدین نے رات کی تاریکی کی مانند سمجھ کر لیلیٰ نام رکھ دیا تھا۔ قصہ کوتاہ

ے مجھے تم پسند ہو تو مجنوں کو لیلیٰ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

5۔ بدن گورا بال کالے۔ بعض علماء نے حور کا یہ معنی لیا ہے کہ جس کا رنگ بہت گورا ہو۔ بدن گلاب کی مانند نرم و نازک ہو اور بال انتہائی کالے ہوں۔ آنکھوں کی سفیدی خوب سفید اور سیاہی خوب سیاہ ہو۔ (6) لفظ عِیْن مشتق ہے عَین سے اور اس کے معنی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی عورت۔ پس حور "عِین" اس حسین و جمیل عورت کو کہیں گے کہ جس کا بدن خوشنما، دیکھنے

والے کو حیران کر دینے والی اور پر کشش آنکھوں والی ہو۔اس تفصیل کے بعد اگر امرء القیس کے اشعار پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی محبوبہ میں دو چیزوں کی خاص تعریف کی ہے ایک سفید رنگ اور دوسری خوبصورت آنکھیں۔ در حقیقت یہی دو چیزیں انسان کے فطرتی جذبات سے زیادہ نسبت رکھتی ہیں۔اب ذیل میں تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

تقابلی جائزہ

اشعار امرء القیس	آیات قرآن مجید
1۔ شاعر نے اپنی محبوبہ کے حسن و جمال کو 26 الفاظ میں بیان کیا۔	1۔ قرآن مجید میں حسن و جمال کو فقط پانچ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ۔
2۔ شاعر نے پہلے شعر میں محبوبہ کے سراپا کی خوبصورتی کو بیان کیا۔	2۔ آیت کے ایک لفظ حور نے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔
3۔ شاعر نے محبوبہ کو دوسرے شعر میں زردی مائل سفید رنگ صدف کا گوہر بتایا ہے یہ الفاظ پڑھ کر یوں لگتا ہے کہ اس نے صدف کی تعریف کیلئے زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں جب کے گوہر کے لئے کوئی تعریفی لفظ استعمال نہیں کیا۔	3۔ آیت میں عورت کو چھپے ہوئے موتی سے تشبیہ دیکر موتی کی تعریف کی گئی ہے۔
4 شاعر نے صدف کی پرورش کے لئے صاف اور غیر مکدر پانی کی قید لگائی ہے جب کہ صاف اور غیر مکدر پانی میں صدف پرورش پا	4 آیت میں کوئی بات حقیقت کے خلاف نہیں کہی گئی۔

اشعار امرءالقیس

پاہی نہیں سکتی۔ یہ غلط بیانی اور مبالغہ آرائی شعراء کا خاص فن ہے۔

5۔شاعر نے تیسرے شعر میں محبوبہ کی آنکھ کو ہرنی کی آنکھ سے تشبیہ دی ہے یہ بھی مبالغہ ہے ہرنی کی آنکھ ہرنی کے لمبوترے چہرے پر سجتی ہے اگر عورت کے چہرے پر وہ آنکھ سجادے تو شاعر صاحب ڈر سے دور بھاگ جائیں۔(6) شاعر نے اپنی محبوبہ کے حسن ظاہری کو تو بیان کیا ہے مگر اس کے حسن کردار اور پاکیزگی وپاکدامنی کے متعلق کچھ نہیں کہا ممکن ہے اس کے نزدیک یہ کوئی اہم بات نہ ہو۔ مزید براں محبوبہ کو بچوں والی ہرنی سے تشبیہ دی ہے تو شاید محبوبہ کسی اور کی امانت ہے یا پھر اپنے کئی بچوں کی ماں ہے جس کے لئے تعریفی اشعار کہنے مجبوری تھی۔

7۔ شاعر کا یہ کہنا کہ میں محبوبہ کی آنکھوں کو دیکھ کر اتنا حیران ہوتا ہوں کہ اس کی شکل ہی نہیں دیکھ سکتا ۔یہ مبالغہ ہے جو شعراء کا خاص ہنر ہے۔

آیات قرآن مجید

5 آیت میں عِیْن'' کے لفظ میں آنکھوں کی خوبصورتی کو نہایت خوبصورت انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔

6۔آیت میں عورت کو پوشیدہ موتی سے تشبیہ دے کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ وہ غیر کے ہاتھوں سے محفوظ رہی ہے حوران جنت کی عفت وعصمت کا یہ کنایہ ہے کہ پروردگار عالم نے انہیں نیکو کاروں کے لئے چھپا رکھا ہے لؤلؤ المکنون کا لفظ حور کے باکرہ ہونے کی گواہی دے رہا ہے یہ صفت شاعر کے تینوں اشعار میں نظر نہیں آتی۔

7. آیت مبارکہ ایسے جھوٹے مبالغے سے پاک ہے سب زیادہ صحیح اور دل پسند مبالغہ یہی ہو سکتا تھا کہ حیران کن حسینہ کا نام ہی حیرت انگیز رکھ دیا جائے چنانچہ پروردگار عالم نے جنت کی حیران کن خوبصورت عورتوں کا نام ہی حور رکھ دیا۔سبحانہ ماعظم شانہ

نتیجہ

اس تقابلی جائزہ سے معلوم ہوا کہ قرآنی آیت کے الفاظ شاعر کے ایک مصرع کے برابر ہیں مگر ان میں عورتوں کے حسن وجمال کو اس قدر فصاحت وبلاغت ایجاز واعجاز اور تشبیہ وکنایہ سے بیان کیا ہے کہ شاعر کے تین اشعار کیا اس کا پورا قصیدہ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

پس سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے

قرآن مجید میں بزم کی نقشہ کشی

قرآن مجید میں چند مقامات پر بزم کی مصوری اس قدر خوبصورت انداز میں کی گئی ہے کہ گویا آنکھوں کے سامنے نقشہ ہی کھچ جاتا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ تمام منظر آنکھوں کے سامنے ہے۔ بزم کی مصوری کے اس اعجاز کو ظاہر کرنے کیلئے چند آیات درج ذیل ہیں۔

اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِo وَ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ oوَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ oاُولٰئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ oفِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ oثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ oوَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ oعَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍo مُّتَّكِئِیْنَ عَلَیْهَا مُتَقٰبِلِیْنَo یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ oبِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِیْقَ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ oلَّا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا یُنْزِفُوْنَ oوَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَo وَ لَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ oوَ حُوْرٌ عِیْنٌo كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ

الْمَكْنُوْنِ ٥ جَزَاءً م بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَأْثِيْمًا

اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ٥ وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَا اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ٥ فِيْ

سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ٥ وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ٥ وَّ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ٥ وَّ مَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ٥ وَّ

فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ٥ لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ ٥ وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ٥ اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ

اِنْشَاءً ٥ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ٥ عُرُبًا اَتْرَابًا ٥ لِاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ٥ ثُلَّةٌ مِّنَ

الْاَوَّلِيْنَ ٥ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ٥ (واقعہ ع ۱)

"حشر کے دن تین جماعتیں ہوں گی۔ ایک تو دائیں طرف والے ہوں گے اور دائیں والوں کے کیا کہنے۔ دوسرے بائیں طرف والے سو بائیں والوں کی کیا گت بیان ہو۔ تیسرے سامنے والے تو سامنے ہی ہیں۔ یہی لوگ مقربین الٰہی ہیں۔ عیش کے باغوں میں ہوں گے۔ ان میں زیادہ تر اگلے لوگوں میں سے ہوں گے اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے۔

سونے کی تاروں سے بنے ہوئے تخت پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے آگے پیچھے خوبصورت نوکر ہوں گے۔ ان کے پاس آبخورے اور آفتابے اور شراب مصفّٰی کے ایسے پیالے ہوں گے جنہیں پی کر نہ تو انہیں دردِ سر ہو گا نہ ہی وہ بے ہوش ہوں گے۔ اور نیز من پسند میوے اور حسب خواہش پرندوں کا بھنا ہوا گوشت اور بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی حوریں۔ جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی۔ یہ سب کچھ بدلہ ہو گا ان کے نیک اعمال کا۔ اس میں کوئی لغو اور خلاف تہذیب بات سننے میں نہ آئے گی۔ صرف اچھی اچھی باتیں ہوں گی۔

بے خار بیریوں کے باغ میں ہوں گے۔ جہاں پٹے ہوئے کیلوں کے درخت ہوں گے اور پھیلا ہوا سایہ اور پانی کا جھرنا اور میووں کی بہتات ہو گی۔ جن کی نہ تو فصل ختم ہو گی نہ ہی ان سے کوئی مانع ہو گا۔ اور اونچے اونچے فرش ہوں گے۔ ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے کہ

انہیں کنواریاں بنایا ہے وہ دلربا اور ہم عمر ہوں گی دائیں طرف والوں کیلئے۔ ان میں اگلے لوگوں کو بھی ایک گروہ ہوگا اور پچھلے لوگوں کو بھی"۔

نتیجہ

ان آیات میں بزم عیش و نشاط کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ دل چاہتا ہے کہ ابھی اڑ کر وہاں پہنچ جائیں۔ سب سے پہلے تو ارباب بزم کا اجمالی تذکرہ کیا ہے پھر ان کی نشست کی ترتیب بیان کی ہے۔ پھر وہاں کے مسرت افزا ماحول کا ذکر کیا ہے۔ عیش و عشرت اور فرحت و انبساط کے جو سامان بھی ممکن ہیں۔ ان آیات میں ان کا تذکرہ ہے۔ خوبصورت نوکر چاکر۔ گلبدن گلفام ہم عمر کنواری لڑکیاں۔ شراب و کباب، محبت وار تباد، ہم نشینوں کی باہم خوش کلامیاں۔ بے لطفیوں اور شکر رنجیوں سے بے خطر، سینہ ہے مگر اس میں کینہ نہیں۔ شباب ہے مگر عذاب نہیں۔ شراب ہے مگر خراب نہیں۔ تہذیب و شائستگی، خوش اخلاقی، باغ و بہار، آبشار، مرغزار، میوہ زار، فرش و فروش، نعمتیں ہیں مگر زوال کا غم نہیں۔ روک ٹوک کا اندیشہ نہیں۔ چھن جانے کا خوف نہیں۔ کوئی بدمست نہیں، کوئی بحواس نہیں، کوئی مریض نہیں۔ نہ جان کا اندیشہ نہ مال کا خطرہ۔ کوئی احتیاط نہیں۔ کسی چیز کی کمی نہیں۔ جو چیز ہے وہ باافراط ہے۔ جو سامان ہے وہ بے پایاں ہے جو درکار ہے وہ تیار ہے جو مطلوب ہے وہ موجود ہے۔ الغرض وہ کون سی بات ہے جسکو سامان عشرت میں دخل ہو اور وہ یہاں مذکور نہ ہو۔ بزمیہ انشاء لکھنے والوں میں سے کوئی ایسا نہیں دیکھا گیا جس نے ایسی ہمہ گیر اور عالیشان انشاء بزم لکھی ہو اور وہ قرآن مجید کی طرح سچ بھی ہو۔ یہ صرف قرآن مجید ہی کا خاصہ ہے کہ اس کے واقعات کذب سے خالی نامعقول مبالغہ سے دور اور فرضی تخیلات سے بعید تر ہیں۔ قرآن مجید نے جنت کی تعریف میں بھی وہی باتیں فرمائی ہیں جن کو عقل انسانی سمجھ سکتی ہے۔

دنیا بھر کے شعراء اور نثر نگاروں کو جمع کر لو کہ وہ اس جیسی منظر کشی کر دکھائیں مگر وہ ایسا

نہیں کر سکیں گے۔ نہ مضامین کی ترتیب، الفاظ کی بندش، کلمات کی سلاست، پھر صنائع لفظی و معنوی میں سجع، مطابقت، تجنیس، مراعاۃ النظیر، تقسیم، تجرید، لف و نشر، حسنِ تکرار، قید و اطلاق، ایجاز و اطناب کی خوبیاں، تشبیہ واستعارہ کے محاسن، وصل و فصل کی موزونیت، دل نشینیٔ مناظر وغیرہ تو قرآن مجید ہی کا خاصہ ہے۔ فہم سلیم اور ذوق نظر رکھنے والوں کیلئے دعوت ہے کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت کریں اور اس خوان حسن و خوبی سے لطف اندوز ہوں۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

بزم کی مصوری کا دوسرا انداز

قرآن مجید میں یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس کے مضامین میں یکساں حسن اور ایک طرح کی شوکت پائی جاتی ہے۔ یہ وہ صفت ہے جس پر بڑے سے بڑا قادر الکلام شاعر اور کہنہ مشق نثر نگار بھی قدرت نہیں رکھتا۔ جس بات کو کسی شاعر نے ایک دفعہ بیان کر دیا اس کو دوسرے انداز میں بیان کرنا اس کیلئے مشکل ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف قرآن مجید میں اکثر مقاصد کو تکرار کے ساتھ ادا فرمایا گیا ہے مگر ہر جگہ وہی فصاحت و بلاغت کا کمال اور محاسن لفظی و معنوی موجود حتیٰ کہ ہر جگہ کلام کا لطف بنایا مگر معیار بلاغت ایک جیسا ہوتا ہے۔ جنت کی بزم عیش و نشاط کا ایک تذکرہ سورۃ واقعہ کی آیات میں گزر چکا ہے۔ دوسرا تذکرہ سورہ دہر میں درج ذیل الفاظ میں ہے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا

يَوْماً عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًاo فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ لَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّ

سُرُوْرًاo وَ جَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًاo مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَائِكِ لَا

يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِيْرًا o وَ دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا

تَذْلِيْلًاo وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرًاo

قَوَارِيْرَ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًاo وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا

زَنْجَبِيْلًا o عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًاo وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًاo وَ اِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ

نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًاo عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ وَ حُلُّوْا

اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَ سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًاo اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَّ

كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًاo (دهر: ع ٢)

نیک لوگ ایسے جام پئیں گے جن میں کافور کی آمیزش ہو۔ اس چشمے سے اللہ کے خاص بندے پئیں گے۔ پھر اس کو جہاں چاہیں گے بہا کے لے جائیں گے۔ وہی لوگ جو واجبات کو پورا کرتے اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی ہمہ گیر ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کے واسطے غریب و یتیم و اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم فقط اللہ کی رضا کے لئے کھانا کھلاتے ہیں۔ تم سے کسی بدلے اور شکریئے کے طلب گار نہیں۔ ہمیں اپنے پروردگار سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دن کی تکالیف سے محفوظ رکھا اور تازگی و مسرت عطا فرمائی۔ ان کے صبر کے بدلے میں جنت اور ریشمی لباس بخشا۔ وہاں تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اس میں حرارت ہوگی نہ سردی۔ جنت کے درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوں گے۔ اور ان کے میوے ان کے بس میں ہوں گے۔ چاندی کے برتن اور شیشوں کے پیالوں [illegible] ہوگا۔ شیشے چاندی

آیات سورہ واقعہ

o ان آیات میں شراب کی داخلی صفات کا تذکرہ ہے کہ وہ خمار پیدا نہیں کریگی۔

o ان آیات میں کھانے کے برتنوں کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

o ان آیات میں پانی کے جھرنے کا فقط ذکر موجود ہے۔

o ان آیات میں جنتیوں کی گفتگو اور ہمکلامی کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

o ان آیات میں حوروں کے حسن و جمال کی تفصیل ہے۔ ان کو چھپے موتیوں سے تشبیہ دی اور لؤلؤ مکنون کہا گیا۔

o ان آیات میں تخت کی داخلی صفات یعنی مرصع کاری کا تذکرہ ہے۔

o ان آیات میں حسب خواہش پرندوں کے بھنے گوشت کھانے کا تذکرہ ہے۔

آیات سورۂ دہر

o ان آیات میں شراب کی خارجی صفت کا تذکرہ ہے کہ اس میں کافور اور زنجبیل کی آمیزش ہوگی۔

o ان آیات میں شراب ڈال کر پینے والے پیالوں کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

o ان آیات میں بتایا گیا کہ وہ چشموں کو جہاں چاہیں گے ساتھ لے جا سکیں گے گویا ظاہری صفت بتائی گئی۔

o ان آیات میں جنتیوں کی پوشاک اور ان کے لباس کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ نیز جنتیوں کے کنگن پہننے کا بیان بھی ہے (بعض نوجوان جنتیوں کے کنگن کی باتیں پڑھ کر حیران ہوتے ہیں اور خود RADO کی گھڑی پہن کر بار بار ہلاتے ہیں تاکہ دوسرے لوگ دیکھ سکیں)

کی طرح ہو گا۔ اسے ایک انداز کے موافق بھر اگیا ہو گا۔ ایسے جام پلائے جائیں گے جن میں زنجبیل کی آمیزش ہو گی اس چشمے کا نام سلسبیل ہو گا۔ اس کے گرد خوبصورت خدام پھر رہے ہوں گے۔ جو دیکھنے سے یوں لگیں گے جیسے بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ اگر تم اس کو دیکھو گے تو تمہیں بڑی نعمت اور بادشاہت (کا سامان) نظر آئے گا۔ ان کے اوپر سبز سندس اور استبرق کے کپڑے ہوں گے اور چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ اور ان کا پروردگار ان کو شراب طہور پلائے گا اور کہے گا۔ یہ سب تمہاری نیکیوں کا بدلہ ہے اور تمہاری کوششیں قبول ہوئیں"۔

آیات قرآنیہ کا تقابلی جائزہ

آیات سورہ واقعہ

o ان آیات میں میوے اور پھلوں کی سلبی صفت بتائی گئی ہے کہ وہ غیر مقطوع اور غیر ممنوع ہوں گے۔

o ان آیات میں جنت کے باغ یعنی درختوں کی خوب منظر کشی کی گئی ہے اور ان کے نام بتائے گئے۔

o ان آیات میں دلربا ہم عمر کنواری لڑکیوں سے لطف اندوز ہونے کا بیان ہے۔

آیات سورۂ دہر

o ان آیات میں غلمان کے حسن وجمال کی تفصیل ہے۔ ان کو بکھرے موتیوں سے تشبیہ دی اور لؤلؤ منشورا کہا گیا۔

o ان آیات میں غلمان کے حسن وجمال کی تفصیل ہے۔ ان کو بکھرے موتیوں سے تشبیہ دی اور لؤلؤ منشورا کہا گیا۔

ان آیات میں تخت کی خارجی صفات کا تذکرہ ہے یعنی سردی گرمی سے محفوظ ہوتا۔

o ان آیات میں مقدار شراب کا تذکرہ ہے جو نہ خواہش سے زیادہ ہو گی نہ کم۔

آیات سورہ واقعہ

o ان آیات میں بیٹھنے کیلئے سُرُرٌ کا لفظ استعمال کیا جبکہ پھلوں کیلئے فواکہ کا لفظ لایا گیا۔

آیات سورۃ دھر

o ان آیات میں ان کی ایجابی صفت بتائی گئی کہ پھل و میوے جنتیوں کی طرف جھک جائیں گے۔

o ان آیات میں جنت کی آبشاروں اور چشموں کی خوب منظر کشی کی گئی ہے اور ان کے نام بتائے گئے۔

o ان آیات میں اس بات کی تفصیل ہے کہ پروردگار عالم ان کو شراب طہور پلائیں گے اور جنتیوں کے بارے میں تعریفی کلمات کہیں گے۔

(نتیجہ) سورۃ واقعہ اور سورۃ دہر کی آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جگہ بزم کی مصوری کا پیرایہ بیان بدلا ہوا ہے مگر دونوں میں صداقت کے باوجود جدت طرازی کا حسن جھلکتا ہے۔ ایک بات کو نئے نئے الفاظ اور نئے نئے پیرایہ میں بیان کرنا مگر زور بیان میں فرق نہ آنے دینا فصاحت وبلاغت کے لوازمات میں سے ہیں۔ محاسن فصاحت وبلاغت اور صنائع لفظی و معنوی میں دونوں جگہ کی آیات کو ایک جیسا مرتبہ حاصل ہے۔ مگر پڑھنے والا اس طرح لطف اندوز ہوتا ہے کہ اسے دونوں کلام ایک سے ایک بڑھ کر دل نشین اور دل پسند محسوس ہوتے ہیں۔ یہ لذت و شیرینی کلام الٰہی کا خاصہ ہے۔ پس قرآن مجید اعجاز میں اپنی مثال آپ ہے۔

پس تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے

باب نمبر 7

اعجاز قرآنی کی حیرت انگیز مثال

جب سورۃ الکوثر نازل ہوئی تو اس کی تین آیات کو سنکر کفار مکہ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اگر ہم اس کے ساتھ ایک فقرہ اور جوڑ دیں تو یہ رباعی بن جائے گی۔ ہم کہہ سکیں گے کہ ہم نے ادھورے کلام کو پورا کر دیا۔ عرب کے تمام شعراء نے سر توڑ کوشش کر لی مگر وہ ایسا نہ کر سکے ۔ذیل میں ان محاسن ظاہری و معنوی کو بیان کیا جاتا ہے کہ جن کی وجہ سے اہل عرب نے اسے بے نظیر سمجھا۔

○ شان نزول

نبی اکرم ﷺ کے فرزند اکبر حضرت قاسمؓ کی وفات پر مکہ کے ایک مشرک بدبخت اور بد خواہ عاص ابن وائل نے کہا کہ اب محمد ﷺ کی نسل منقطع ہو گئی ہے لہذا اب آپ ﷺ کے بعد کوئی آپ کا نام لیوا باقی نہ رہیگا۔ سورۃ درج ذیل نازل ہوئی۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○

[ہم نے تمہیں کوثر عطا کی۔ پس اپنے رب کی نماز پڑھو اور قربانی دو۔ بیشک تمہارا دشمن ہی ناقص ہے]

○ مفہوم کلام :

اے محمد ﷺ ہم تم سے بعید نہیں۔ ہماری ہستی معظم نے تمہیں ہر قسم کا کمال اور تمام خوبیوں کی کثرت عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ وہ وعدہ ایسا وعدہ ہے کہ گویا پورا ہو چکا اور یہ جو کچھ بھی عطا ہوا

تمہاری درخواست کے بغیر ہم نے صرف اپنی کمالِ عنایت وغایتِ محبت کی وجہ سے عطا کیا۔ ایسی عظیم نعمتوں کے ملنے پر مناسب یہی ہے کہ تم اپنے رب کیلئے نماز پڑھو۔ جس کی نماز بحیثیت اس کی ربوبیت کے تمہارے اوپر لازم ہے۔ اور قربانی بھی اسی کیلئے دو تاکہ مشرکوں کی عملی مخالفت ثابت ہو جائے۔ اس بات میں تمہیں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہم تمہارے دشمن کو ہی ناکام اور لنڈورا رکھیں گے۔ بلکہ قیامت تک جو شخص بھی آپ ﷺ کی مخالفت کرے گا ہم اس کا انجام اسی طرح کریں گے۔

○ فصاحت لفظی

اس سورۃ کا ہر لفظ سلیس۔ مانوس اور بر محل ہے۔ کوئی لفظ غریب الاستعمال نہیں۔ ترکیب حروف میں کسی نوع کا تنافر نہیں۔ کوئی لفظ سننے میں ناخوشگوار نہیں اور نہ ہی قاعدے کے خلاف استعمال ہوا ہے۔ پس یہ سورت فصاحت لفظی کا شاہکار ہے۔

○ فصاحت کلامی

اس سورت میں کلمات کی ترتیب قواعد کے مطابق ہے۔ ترتیب کلمات ثقل سے خالی ہے۔ الفاظ نہ تو غریب وبعید ہیں اور نہ ہی قریب و مبتذل ہیں۔ الفاظ جلدی ذہن میں آنے والے اور معانی واضح ہیں۔ گویا تعقید لفظی و معنوی سے کوسوں دور ہیں۔ تکرار بے معنی سے مبرا۔ کثرت اضافات کے عیب سے پاک ہیں۔

الفاظ کی بندش چست ہے ترکیب دل پسند اور دل نشین ہے اور معانی بلند ہیں۔ الفاظ اس طرح نگینے کی مانند جڑے ہوئے ہیں کہ ایک لفظ نکال کر کوئی دوسرا ہم معنی وہم وزن لفظ استعمال کرنا چاہیں تو یہ حسن وخوبی بر قرار نہ رہے جو موجودہ صورتحال میں ہے۔ پس یہ سورۃ فصاحت کلامی کا شاہکار ہے۔

o حسن بلاغت

بلاغت کی خوبی یہ ہے کہ مدعائے کلام سامع کے ذہن نشین ہو جائے۔ ایسا معلوم ہو کہ متکلم مخاطب کے دلی جذبات کو الفاظ کا جامہ پہنا رہا ہے۔ اس سورت کی تینوں آیات بلاغت کی دلیل ہیں تینوں آیات کا ہر لفظ مقتضائے حال و شان مخاطب و متکلم کے مطابق ہے۔ گویا علیم و خبیر پروردگار نے نبیؐ کے دل کی بات کو بیان کر دیا ہے۔ پس یہ سورت حسن بلاغت کا بھی شاہکار ہے۔

o محاسن معنوی

اس سورت کے معنوی محاسن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1 اِنَّا کے الفاظ سے کلام کا آغاز فرمایا "وَالْاَصْلُ فِی الْخِطَابِ اَنْ یَکُوْنَ لِمُشَاهَدٍ مُعَیَّنٍ" [خطاب کی اصل یہ ہے کہ پیش نظر موجود ہو] یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اے محمد ﷺ تم اور تمہاری حالت ہم سے مخفی نہیں ہے تم ہمارے پیش نظر ہو لفظ اِنَّا میں نون جمع متکلم کا استعمال اظہار عظمت کے لئے کیا پس کلام کے آغاز سے ہی پتہ چلتا ہے کہ ایک معظم ہستی سے خطاب کیا جا رہا ہے۔

2۔ عطا از راہ کرم اور بلا استحقاق کے بخش دینے کے معنوں میں آتا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب کچھ تمہاری درخواست کے بغیر ہم نے محض اپنے لطف و کرم سے عطا کیا۔

3۔ اعطینا ۔ماضی کا صیغہ ہے اور یہ مجازیا عدول ہے مضارع سے ماضی کی طرف۔ اس سے عطائے کوثر کا تحقق و توع پایا جاتا ہے۔ مقصد یہ کہ گویا ہم نے تمہیں کوثر دے دی اب ہمارا شکر بجالانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

4۔ اِنَّا اَعْطَیْنَا لَکَ ۔یہ القائے خطاب کی پہلی صورت ہے جس میں تاکید نہیں کی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ متکلم کو مخاطب کے ساتھ بہت قرب تھا اور قوت ایمانیہ ملحوظ خاطر تھی لہذا تاکید کی

ضرورت نہیں تھی۔ لفظ عطا کا بھی تقاضا یہی تھا کہ مخاطب کو خالی الذہن سمجھ کر خطاب کیا جائے ۔ سبحان اللہ الفاظ کے اسلوب کا کلام سے متناسب ہونا فصاحت کی کتنی عمدہ مثال ہے۔

5۔الکوثر۔ عربی زبان میں اس کے درج ذیل معانی ہیں۔

☆ بہشت کی ایک ندی کا نام جس سے سب چشمے جاری ہوتے ہیں۔

☆ مرد باعزت

☆ خیر محض یعنی نبوت واسلام

☆ ہر چیز کی کثرت۔ یعنی کثرت خلفاء۔ کثرت مملکت۔ کثرت مال وجاہ عزت وناموس۔ کثرت معجزات۔ خلق عظیم۔ اتمام نعمت۔ تکمیل دین اور ختم نبوت وغیرہ۔

لفظ کوثر کے وسعت معانی کو دیکھئے کہ نبی اکرم ﷺ کو جو کچھ بھی عطا ہوا وہ سب کچھ اس ایک لفظ میں سمایا ہوا ہے۔

6۔ابتر۔ اس کے بھی کئی معانی ہیں۔

☆ ناقص وناتمام ودم کٹا۔

☆ مرد بے عزت

☆ کار بے خیر

☆ ایک خبیث سانپ کا نام

یہ تمام معانی لفظ کوثر کے معانی کے متضاد ہیں۔ گویا کوثر کے الٹ جو کچھ بھی ہے وہ آپ کے دشمن بد نصیب کے حصے میں آئے گا۔ الفاظ کا حسن انتخاب دیکھ کر وجد طاری ہونے لگتا ہے۔

7۔ انا اعطینا لک الکوثر ۔ یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہے۔ اغراضِ خبر میں سے ایک یہ ہے کہ ماننے والے کیلئے بشارت ہو اور انکار کرنے والے کیلئے شماتت ہو۔ پس بشارت نبی ﷺ کے لئے اور شماتت عاص ابن وائل بد بخت کیلئے۔

8 ۔ 8 فصل لربك وانحر۔ علم معانی کا قاعدہ ہے کہ جب دو جملے بنفسہا منقطع ہوں اور کوئی وصل کی مناسب وجہ نہ ہو تو فصل واجب ہے۔ یہاں پر پہلا جملہ فعلیہ تھا اور دوسرا انشائیہ۔ یہی اختلاف وصل کا مانع تھا لہذا دوسری آیت میں وَصَلَ نہیں فرمایا۔

☆ "ف" کے متعلق علماء ادب نے دو معارف لکھے ہیں ایک تو یہ حرف تفریع ہے یعنی مابعد کا حکم ماسبق سے متعلق ہے۔ پس کوثر کے عطا ہونے پر جانی ومالی قربانی دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ دوسرا اس میں تادیب ہے یعنی پروردگار عالم نے ادب سکھلایا کہ نعمت کے ملنے پر نماز شکرانہ پڑھنی مناسب ہے۔ اس امر کو انشاء تادیبی کہتے ہیں۔

☆ اس آیت میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے۔

☆ ضمیر سے اظہار کی طرف عدول (مڑنے) میں ایک فائدہ یہ ہے کہ بات کو مخاطب کے دل میں جمادیا جائے۔ اس کو تمکین معنی کہتے ہیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ صلوۃ و نحر فرائض میں سے ہیں۔ اگر کوثر نہ بخشا جاتا تو بھی یہ احکام بدستور موجود رہتے۔

☆ دو جملے غور طلب ہیں

ہم نے کوثر بخشا پس ہماری نماز پڑھو

ہم نے کوثر بخشا پس اپنے رب کی نماز پڑھو۔

پہلے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ اعطائے کوثر موجب صلوۃ ہے۔ دوسرے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز فرائض میں سے ہے۔ اعطائے کوثر سے اس کی تاکید مزید ہو گئی۔ یہ نکتہ قابل غور ہے

وھذہ من المواھب.

9. فصل لربك کے ساتھ وانحر کا وصل لائے ہیں کیونکہ دونوں جملے انشائیہ ہیں۔ دونوں میں مناسبت تام ہے۔ ایک جانی قربانی دوسری مالی قربانی۔ دوسرے جملے کو حکم سابق میں شریک کر دیا گیا۔

10۔ اس آیت کے آخیر میں لربک محذوف ہے۔ اس کو ایجاز حذف کہتے ہیں۔ اس کا فائدہ فہم کی آسانی اور حفظ کی سہولت ہے۔

11۔ دوسری اور تیسری آیت میں وصل نہیں لائے کیونکہ ایک انشائیہ تھی دوسری خبریہ۔

12۔ **ان شانئك هو الابتر** میں دو تاکیدیں لائی گئیں ایک ان کی دوسری هو کی۔ تاکید بالائے تاکید کا مقصد یہ تھا کہ دشمن رسولؐ عاص بن وائل کو اچھی طرح واضح ہو جائے کہ وہ خود ہی ابتر ہوگا۔

13۔ اس آخری آیت میں اطناب بھی ہے پس اعطائے کوثر دشمن کی ابتری کا سبب ہے اس کا اطناب تذئیل کہتے ہیں مثلاً **جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا** (بنی اسرائیل) اس آیت میں حق کا آنا زھوق باطل کا سبب ہے۔ اس مثال پر تیسری آیت کے معانی سمجھنے آسان ہیں۔

14۔ شانئك میں اضافت ہے۔ دشمن کا نام لینے کی بجائے عمومیت کو پسند کیا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ دشمن رسول خواہ کوئی بھی ہوگا خائب و خاسر ہوگا۔

15۔ اس آیت میں عدول ہے جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف پس اس کا فائدہ تقرر حکم ہے۔ معلوم ہوا کہ دشمن کی ابتری کوئی غیر یقینی نہیں بلکہ پکی بات ہے۔

حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے۔

انا اعطینك الكوثر ۔۔۔۔۔۔ یہ ہے شان رسولؐ

فصل لربك وانحر ۔۔۔۔۔۔ یہ ہے پروگرام رسولؐ

ان شانئك هو الابتر ۔۔۔۔۔۔ یہ ہے انجام دشمنان رسولؐ

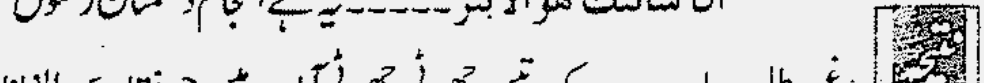

نتیجہ: غور طلب بات یہ ہے کہ تین چھوٹی چھوٹی آیات میں جو فقط دس الفاظ پر مشتمل ہیں اس قدر لفظی و معنوی خوبیوں کا موجود ہونا حیران کن بات نہیں تو اور کیا ہے۔ اس میں وصل و

فصل، اطناب وایجاز، قصر و تاکید، اور حذف وغیرہ کے محاسن نے معانی میں حیرت ناک وسعت پیدا کر دی ہے۔ یہ تھے وہ اسباب جس نے اس سورۃ مبارکہ کو قدرت انسانی سے بالاتر ثابت کر دیا۔ پس سب تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

خلاصہ کلام :

علمائے بلاغت نے اسلوب کی تین قسمیں بتائی ہیں (1) خطابی (2) ادبی (3) علمی۔ قرآن مجید میں زور خطابت۔ ادب کی شگفتگی اور علم کی متانت ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ ان تینوں کو یکجا کر دینا کمال ہے قانون وراثت جیسے خشک مضمون کو بیان کرتے ہوئے۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ والے رکوع میں حسن بیان، ادب کا کمال اور علم کی متانت کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہر طرح سے عربی ادب کی فصاحت وبلاغت کا اپنا میدان ہوتا ہے۔ عربوں میں امرء القیس غزل کا۔ نابغہ خوف وہیبت کا۔ اعشیٰ حسن طلب کا۔ اور زہیر رغبت وامید کا بے مثال شاعر سمجھا جاتا ہے مگر قرآن مجید کو دیکھئے تو ترغیب وترہیب۔ وعدو وعید قوت استدلال اور امثال وقصص وغیرہ ہر چیز میں بے مثال نظر آتا ہے۔

اس کی فصاحت وبلاغت کا میدان محدود نہیں بلکہ لامحدود ہے۔ درج ذیل میں اعجاز قرآن کے چند ٹھوس شواہد پیش کئے جاتے ہیں۔

○ اعجاز قرآن کے ٹھوس دلائل :

1۔ قرآن مجید ایک ایسی ہستی پر نازل ہوا جس نے ساری زندگی کسی استاد کے سامنے زانوئے ادب طے نہیں کیا نہ ہی علوم مدونہ کو مکاتب میں پڑھا۔ لکھنے پڑھنے سے ناواقف۔ علمی تذکروں اور شعراء کے مشغلوں سے کوسوں دور رہنے والی ہستی کا ایسا کلام پیش کر دینا جو صنائع وبدائع اور محاسن

کلام میں اپنی مثال آپ ہو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے۔

2۔ قرآن مجید علم معانی، بیان و بدیع کے ہر شعبے پر حاوی ہے۔ علوم کا کوئی ایسا فن نہیں جو قرآن مجید میں موجود نہ ہو۔ یہ بات دنیا کی کسی اور کتاب میں نہیں پائی جا سکتی۔

3۔ انسانی کلام کو چند مرتبہ پڑھ لیا جائے تو دل اکتا جاتا ہے۔ پھر اس کو مزید پڑھنے یا سننے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ مگر قرآن مجید میں ایسی تاثیر ہے کہ اسے جتنا زیادہ پڑھا جائے اتنا زیادہ اس کی محبت دل میں جاگزیں ہوتی ہے وہ حفاظ یا قراء جو سارا دن اس کتاب کی تدریس میں لگے رہتے ہیں۔ صبح سے شام تک قرآن مجید سنتے یا سناتے رہتے ہیں۔ اور عمر بھر یہی معمول رہتا ہے ان کے دل عشق قرآن سے لبریز ہوتے ہیں اور ان کی زبان پر اکثر اسی کتاب کی تلاوت رہتی ہے۔

4۔ انسانی کلام کو لفظ بہ لفظ یاد کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن قرآن مجید کا اعجاز دیکھئے کہ بعض اوقات سات آٹھ سال کا بچہ قرآن مجید کا حافظ بن جاتا ہے۔ اگر حفاظ کرام کے اپنے حافظے کا کمال ہوتا تو یہ حضرات کسی دوسری کتاب کو من و عن یاد کر کے دکھائیں۔ اگر قرآن مجید کو اچھے انداز سے پڑھنا قراء کا اپنا کمال ہوتا تو یہ حضرات کسی دوسری کتاب کو پڑھ کر دکھائیں۔ معلوم ہوا کہ یہ قرآن کا ہی معجزہ ہے کہ اسکو یاد کرنا بھی آسان ہے اور اس کو مختلف قرأتوں میں پڑھنا بھی آسان ہے

5۔ دنیا کی کوئی کتاب لفظ بہ لفظ محفوظ نہیں ہے۔ قرآن مجید کا معجزہ دیکھئے کہ سینوں میں بھی محفوظ ہے اور سفینوں میں بھی محفوظ ہے اس میں کوئی غلطی قرار نہیں پکڑ سکتی۔ اگر لکھائی اور چھپائی میں کوئی غلطی رہ جائے گی تو حفاظ کرام اس کو ایک نظر دیکھتے ہی پہچان جائیں گے اور کھرے کھوٹے کو الگ کر دیں گے۔ ایک غیر مسلم کاتب نے تورات انجیل اور قرآن پاک کے نسخے حاصل کئے۔ پھر ان کو بہت خوبصورت انداز میں لکھا مگر چند جگہوں پر عمداً کمی بیشی کر لی اس کے بعد اس نے تورات یہودیوں کو دی۔ انجیل نصاریٰ کو دی اور قرآن مجید ایک حافظ صاحب کو دیا۔ حافظ صاحب نے چند دن کے اندر اسکو ایک ایک حرف کی غلطی کی نشاندہی کر دی جب کہ یہود و نصاریٰ کو کئی سال تک اس کتاب کی غلطیوں کا پتہ ہی نہ چل سکا۔ یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے

تسلیم کیا کہ قرآن مجید ہی دنیا کی واحد کتاب ہے جو ملاوٹ سے پاک ہے۔

6۔ قرآن مجید ہی وہ کتاب ہے جو تواتر کے ساتھ ہر دور اور ہر زمانے میں نقل ہوتی چلی آرہی ہے اسکا سلسلہ درمیان میں کہیں بھی منقطع نہیں ہوتا۔

7۔ قرآن مجید کی فصاحت شروع سے آخر تک یکساں ہے۔ کسی مقام پر اس میں کمزوری نہیں آتی۔ خوبصورت الفاظ اور مضامین کا مناسب حال ہونا۔ زور بیان کا ہر جگہ یکساں ہونا۔ فواصل میں سجع کی بے نظیر رعایت رکھنا۔ آیات طویل کے فواصل کا حرف مدہ پر ختم ہونا اور قصیر و بسیط کا سامعہ نواز فواصل سے مزین ہونا انوکھی بات نہیں تو اور کیا ہے۔

8۔ جھوٹ اور مبالغے سے یکسر خالی کلام کا فصاحت وبلاغت میں لاجواب ہونا اس بات کو ٹھوس ثبوت ہے کہ یہ کسی مخلوق کا نہیں خالق کائنات کا کلام ہے۔

9۔ فنون انشاء کے ماہرین نے قرآن مجید کو اپنے اپنے فنون کی کسوٹی پر پرکھا اور تولہ ہے۔ پچھلے پندرہ سو سال میں ایک بھی ماہر فن ایسا سامنے نہ آیا جس نے قرآن پاک میں کوئی انشاء کا ضعف ثابت کیا ہو۔

10۔ قرآن مجید کے مضامین میں ہر جگہ ظاہر وبطن کی رعایت ملحوظ ہے۔ عوام الناس کیلئے ظاہری معنی کو سمجھنا آسان بنا دیا گیا ہے جبکہ علماء کیلئے اس کے معارف کو عمیق و لطیف بھی بنا دیا گیا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ علم و حکمت کا دریا بہ رہا ہے۔ ہر شخص اپنی فراست وبصیرت کے مطابق اس سے بہرہ مند ہو سکتا ہے، اہل علم اس میں جتنا غور کریں گے اتنا ہی مضامین حکمت کے جواہر پارے ان کے ہاتھ آئیں گے۔ قرآن مجید کے اسی اعجاز میں مشرکین مکہ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ الخصائص الکبری للسیوطی میں امام حاکم اور بیہقی کی روایت ہے کہ ولید بن مغیرہ نے قرآن مجید کے بارے میں اپنے تاثرات یوں بیان کئے

واللہ ان لقولہ الذی یقول حلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ وانہ لیعلوا وما یعلی

اخدا کی قسم۔ جو کلام یہ سنتے ہیں اس میں بلا کی شیرینی اور رونق ہے۔ یہ کلام غالب ہی رہتا ہے

مغلوب نہیں ہوتا]

اردو زبان کا مقولہ ہے کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ قرآن مجید کی تعریف صنادید قریش کی زبا ن سے سن کر اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ قرآن مجید کے اعجاز نے ان کے دلوں کو موہ لیا تھا۔ ا ن کے دل حقیقت کو تسلیم کر چکے تھے۔ قرآن مجید کی تعریف میں سب سے بہتر کلمات وہی ہیں جو آقائے نامدار سید الاولین والآخرین خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"فیه نبأ ماقبلکم .وخبر ما بعدکم و حکم ما بینکم. من ترکه من جبار قصمه الله . ومن اتبغی الهدی فی غیر ه اضله الله. وهو حبل الله المتین. وهو الذکر الحکیم. وهو الصراط المستقیم.وهو الذی لا تزیغ به الا هواء. ولا تلتبس به الا لسنة. ولا یشبع منه العلماء . ولا یخلق عن کثرة الرد. ولا تنقضی عجائبه من قال به صدق. ومن عمل به اجر. ومن حکم به عدل ومن دعا الیه هدی الی صراط مستقیم".

(اس میں تم سے پہلے لوگوں کے حالات بھی ہیں اور ان باتوں کی بھی خبر دی گئی ہے جو تمہارے بعد واقع ہونے والی ہیں اور اس قرآن میں وہ احکام بھی مذکور ہیں جو تمہارے درمیان ہیں اور اس قرآن میں احکام بھی ہیں جو تمہارے درمیان ضروری ہیں وہ قرآن حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے وہ کوئی بیکار جس متکبر نے قرآن کو چھوڑ دیا اس کو اللہ تعالیٰ ہلاک کر ڈالے گا اور جو شخص اس قرآن کے علاوہ ہدایت چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کر دیگا وہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے وہ پر حکمت ذکر ہے اور صراطِ مستقیم ہیں قرآن وہ سر چشمہ ہدایت ہے جس کی اتباع کی وجہ سے خواہشات انسانی حق سے باطل کی طرف مائل نہیں ہوتیں اس کی زبان سے اور زبانیں نہیں

ملتیں علماء اس سے سیر نہیں ہوتے وہ قرآن کثرت تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا اور نہ اس کے عجائب تمام ہوتے ہیں قرآن کریم وہ کلام ہے جس کو جنات نے سنا تو وہ ایک لمحہ توقف کیے بغیر کہہ اُٹھے کہ ہم نے قرآن سنا جو ہدایت کی عجیب راہ دکھاتا ہے ہم اس پر ایمان لائے جس شخص نے قرآن کے مطابق کہا اس نے سچ کہا اور جس نے اس پر عمل کیا اس کو ثواب دیا جائے گا۔ جس شخص نے قرآن کے مطابق فیصلہ دیا اس نے انصاف کیا۔ جس نے اس کی طرف بلایا اس کو سیدھی راہ دکھائی گئی۔

نبی ﷺ کی دعا میں منقول ہے

الھم اجعل القرآن ربیع قلبی ونور صدری وجلاء حزنی

وذھاب ھمی (مسند احمد ج۱ ص ۴۵۲)

[اے اللہ قرآن کو بہار بنا میرے دل کی اور نور میرے سینے کا اور دور ہونا میرے غم کا]

پس تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے

کتابیات

راقم الحروف نے سلف صالحین کی کتب سے ہیرے موتی چن کر اس کتاب میں سجا دیئے ہیں اپنی محنت نہ ہونے کے برابر ہے۔ کہیں کہیں ترتیب کو درست کر دیا ہے اور بعض جگہوں پر مشکل الفاظ کو سلیس انداز میں بیان کر دیا ہے تاکہ قارئین کرام کو سمجھنے میں آسانی ہو تاہم جواہر البلاغت، اساس البلاغہ، سواطع القرآن، لطائف قرآنیہ اور فقہ اللغہ کے علاوہ تفسیر قرطبی اور تفسیر کشاف اکثر و بیشتر پیش نظر رہی ہیں۔ بقیہ جن کتب سے فائدہ حاصل کیا گیا ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

☆ اساس البلاغہ. ابو القاسم ذمخشری مطبوعہ دار الکتب. القاھرہ ۱۹۷۲

☆ الاعجاز والایجاز. الثعالبی. دار الرائد بیروت ۱۹۸۳

☆ اعراب القرآن الکریم وبیانہ. محی الدین درویش. دار ابن کثیر. حمص دمشق

☆ تفسیر قرطبی ابو عبد الله محمدبن احمد القرطبی .دار کتاب العربی . بیروت

☆ تفسیر الفخر الرازی .الامام محمد رازی .دار الفکر بیروت ۱۹۸۵

☆ تفسیر الکشاف.ابو القاسم الزمخشری .

☆ فقه اللغه واسرار العربیه .ابو منصور الثعالبی . المکتبة العصریه .بیروت

☆ معانی القرآن .ابو زکریا یحیٰ الفراء .عالم الکتب بیروت ۱۹۸۰

☆ تهذیب التهذیب.لابن حجر ،مطبعة الهند

☆ الرساله الشافیه.عبد القاهر جرجانی. المطبوعه دار المعارف مصر.

☆ الاتقان .للسیوطی.

☆ اعجاز القرآن .للامام ابی بکر محمد الباقلانی .موسسة الکتب الثقافیه

☆ تفسیر انوار التنزیل . علامه بیضاویؒ

☆ مدارك التنزیل . علامه عبدالله نسفیؒ

☆ معالم التنزیل . ابو حسین محمد بن مسعودفراء بغویؒ

☆ جامع الاسرار ،جامع البیان، مفاتیح الغیب، فتح القدیر

☆ عجائب القرآن ، روح المعانی، مختصر المعانی، تلخیص -

☆ تذکرة البلاغت ، شرح عقائد، الکلام ، سواطع الالهام

☆ سبعه معلقه، حجته الله البالغه، کیمیائے سعادت، جواهر البلاغت.

فقیر دعا گو ہے کہ اللہ رب العزت مندرجہ بالا تمام کتب کے مؤلفین و مصنفین کو اپنے قرب کے اعلیٰ ترین درجات عطا فرمائے آمین

بحرمة سید الاولین و الآخرین شفیع المذنبین سید ناو مو لانا محمد واله واصحابه اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین.

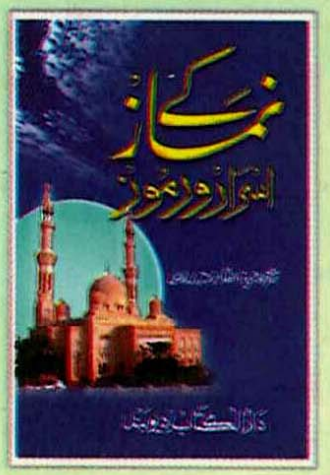

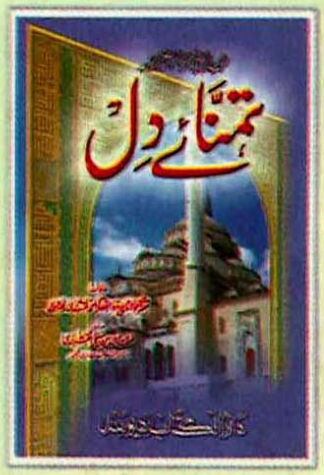

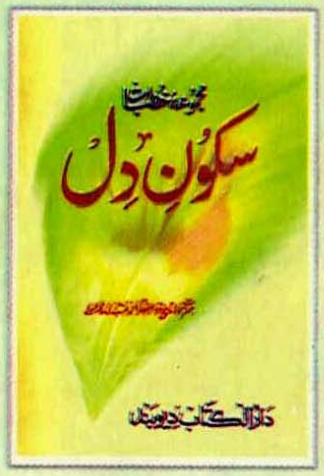

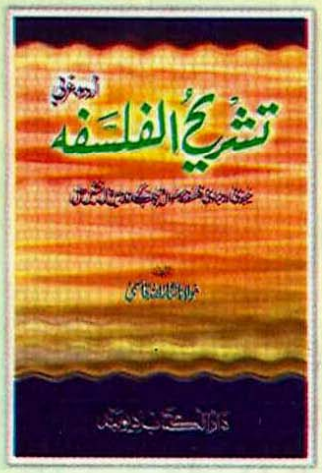

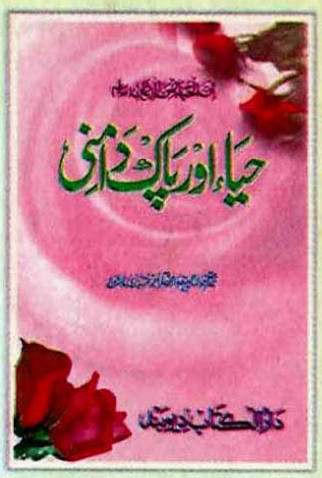

دار الکتاب دیوبند

Ph: 01336-224258
pantone graphics